Quarterly Research Journal "Al-Qudwah", Volume 02, Issue 04, Oct-Dec 2024

AL-QUDWAH
ISSN(P): 2959-2062 / ISSN(E): 2959-2054
https://al-qudwah.com

معجزات سے متعلق عقلی اشکالات کا تجزیہ اور متجددین کی افکار و نظریات کا جائزہ

Analysis of Rational Objections to Miracles and a Review of the Ideas and Theories of Modernists

ABSTRACT

This research paper addresses the rational objections raised against the concept of miracles in religious and philosophical discourse, along with an examination of the ideas and theories put forward by modernist thinkers. The concept of miracles has been central to religious beliefs across various traditions, particularly within Islam, where they are seen as extraordinary events performed by divine intervention to support the truth of a prophet or a religious message. However, in modern times many thinkers, especially from the modernist and rationalist schools have raised questions regarding the plausibility of miracles. These objections typically challenge the supernatural nature of miracles, arguing that such events are inconsistent with the laws of nature as understood by contemporary science. Critics often suggest that miracles, as supernatural occurrences, contradict the empirical and rational basis of knowledge and human experience.The research paper also explores the views of modernists, who attempt to reinterpret or even reject the traditional understanding of miracles. Some modernist scholars argue for a symbolic or allegorical interpretation of miraculous events, while others advocate for a more rationalistic approach seeking to reconcile religious beliefs with modern scientific understanding. These perspectives often reflect a broader trend of rethinking religious concepts in light of modernity, skepticism, and the scientific worldview.The analysis concludes by considering the broader implications of these discussions on the relationship between religion, reason, and modernity. The debate over miracles remains a significant point of contention in contemporary theology and philosophy, influencing both religious practice and intellectual discourse.

Keywords: *Seerah,* ***,*** *miracles, modernist thinkers, arguments,answers.*

AUTHORS

Muhammad Ibrahim Zahid*
MPhill Scholar, Riphah International University, Islamabad:
ik6086278@gmail.com

Nasir Mehmood Shahzad**
MPhill Scholar, Department of Islamic Thought History and Culture, Allama Iqbal Open University, Islamabad:
nasirshahzad247@gmail.com

Muhammad Usman Mubarak***
MPhill Scholar, Riphah International University, Islamabad:
usmanmubarak2@gmail.com

Date of Submission: 17-11-2024
Acceptance: 09-12-2024
Publishing: 15-12-2024

Web: https://al-qudwah.com/
OJS: https://al-qudwah.com/index.php/aqrj/user/register
e-mail: editor@al-qudwah.com

Correspondence Author:
Nasir Mehmood Shahzad**MPhill Scholar, Department of Islamic Thought History and Culture, Allama Iqbal Open University, Islamabad.*

تعارف:

انبیاء کرامؑ کے معجزات سے انکار کا دستور ابتدائی اور اس کا تسلسل آج بھی موجود ہے مگر ابتدائی منکرینِ معجزات اور عصر حاضر اور اس سے متصل زمانے کے منکرین کی وجوہ انکار مختلف اور الگ الگ ہیں۔ ادوار سابقہ انبیاءؑ کے معجزات سے انکار کرنے والے لوگ زیادہ تر کفار تھے اور وہ اس وجہ سے انکار نہیں کرتے تھے کہ معجزہ کا وقوع قدرتی قانون کے مخالف ہے بلکہ وہ خوارق عادت امور کو نہ صرف مانتے تھے بلکہ انبیاءؑ سے بذات خود معجزات طلب کیا کرتے تھے۔ اور جیسے ہی کسی نبی کو معجزہ عطا کر دیا جاتا تو اسے جادو کہہ کر نبی کی رسالت و نبوت کی نفی کیا کرتے تھے۔ ان کا یہ رویہ دو باتوں کا مظہر ہے کہ اولاً تو وہ خرق عادت امور کو مانتے تھے اور نہ صرف معجزہ بلکہ جادو کو بھی تسلیم کرتے تھے جبکہ ثانیاً معجزے کے انکار کی اصل وجہ انبیاء کرام کی رسالت سے انکار اور مخالفت تھی اور ایسا ہر گز نہیں تھا کہ وہ خوارق عادت امور کو ناممکن الوقوع سمجھتے تھے۔

جبکہ اسکے مقابلے میں عصر حاضر میں بہت سے لوگ جو مسلمان ہیں ان کا ایک طبقہ معجزات کا اس لحاظ سے منکر ہے کہ چونکہ یہ معجزہ عمومی قدرتی قانون کے مخالف ہے لہذا یہ ناممکن الوقوع ہے۔ چنانچہ اس طبقے کے ہاں معجزے کا اقرار عجوبہ پرستی اور عجوبہ پسندی کے سوا کچھ نہیں۔ حالانکہ معجزے کا انکار در اصل قدرت خداوندی کا انکار ہے جو کہ سراسر ضلالت اور گمراہی ہے۔ چنانچہ معجزات سے انکار خواہ نبی کی مخالفت کی بناء پر ہو یا قانون قدرت کے خلاف ہونے کے باعث ہو یا عصمت انبیاءؑ کے عنوان سے نبی سے معجزہ کے "اتہام" کو دور کرنے کی بناء پر ہو، بہر صورت غلط اور ناجائز ہے۔

چنانچہ عقل پرستی یا وحی کے مقابلے میں عقلی تفوق و برتری کی ابتدا دوسری تعلیمات پر صدی بھر میں ہوئی جب ہندوستانی اور یونانی فلسفہ اسلام کی سادہ تعلیمات پر اثر انداز ہو رہا تھا جس نے ایک جانب رہبانیت کی راہ ہموار کی جبکہ دوسری جانب جہمیہ و معتزلہ جیسے عقلیت پسند فرقے کو جنم دیا۔ یونانی فلسفے کے سرخیل کو افلاطون اور اس کا ہونہار شاگرد ارسطو کو تصور کیا جاتا ہے۔

جبکہ عقل پرستی کا دوسرا دور تیرھویں صدی ہجری یا انیسویں صدی عیسوی میں شروع ہوا مگر دوسری صدی ہجری کے مقابلے میں حالات بالکل مختلف تھے۔ اس وقت مسلمان فاتح تھے اور سیاسی لحاظ سے غالب تھے اور جن فلسفوں سے ان کا واسطہ پڑا تھا وہ مفتوح و مغلوب فرقوں کا فلسفہ تھا بایں وجہ ان کا حملہ مسلمانوں پر اجتماعی لحاظ سے بہت ہلکا ثابت ہوا، اس کے برخلاف تیرھویں اور چودھویں صدی ہجری میں جب یہ فکری و عقلی یلغار حملہ آور ہوئی تو اس وقت مسلمان ہر لحاظ سے تنزلی کا شکار تھے ان کے ملک پر غیروں کا قبضہ ہو چکا تھا، معاشی لحاظ سے وہ کمزور ہو چکے تھے اور ان کا نظام تعلیم درہم برہم کر کے فاتح قوم نے اپنی تعلیم و تہذیب، اپنی زبان، اپنے قوانین اور اپنے اجتماعی سیاسی اور معاشی اداروں کو مکمل طور پر مسلط کر رکھا تھا ایسے حالات میں فاتح اقوام کے فلسفوں اور سائنس نے ان کو معتزلہ کی بہ نسبت ہزار درجہ مرعوب کر دیا اور انھوں نے مغربی افکار و نظریات کو معقول اور متاثر کن سمجھ لیا۔ ان شخصیات میں سے غلام احمد پرویز، عبد اللہ چکڑالوی، اسلم جے راج پوری، عنایت اللہ اثری اور جاوید احمد غامدی کے معجزات سے متعلق افکار و نظریات اور عقلیت پسندی پر مبنی اشکالات کا ذیل میں جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

غلام احمد پرویز اور معجزات نبویؐ:

مختصر حالات زندگی:

غلام احمد پرویز ہندوستان کے مشرقی پنجاب کے ضلع گورداسپور میں 9 جولائی 1903ء کو پیدا ہوئے۔ آپ کے والد چودھری فضل دین ناخواندہ جبکہ دادا مولوی چوھدری رحیم بخش حنفی مسلک کے عالم تھے۔ اور تصوف کے سلسلہ چشتیہ نظامیہ میں بیعت ہونے کے ساتھ ساتھ ماہر طبیب تھے۔ انھوں نے ابتدائی تعلیم اپنے دادا سے حاصل کی اور ان ہی کی زیر تربیت رہتے۔ دادا صوفی منش بزرگ ہونے کے باعث ہندوستانی باشندہ ہونے کی وجہ سے یوگیوں اور سنیاسیوں سے بھی رفاقت رکھتے تھے جو کہ ہندو مذہب کے پیشوا تھے۔ چونکہ ان لوگوں اور صوفیاء کا مشرب قریب

قریب ہے۔ وہ لوگ بھی فلسفہ ذات کے قائل تھے۔ اسلیئے ان کے دادا جان ان کو طرح طرح کے علوم سے ابتداء آشنا کروانا چاہتے تھے۔ چنانچہ ابتداء سے ہی غلام احمد پرویز تصوف سے منسلک ہو گئے لیکن بعد میں انہوں نے اس راستے کو خیر آباد کہہ دیا۔ کیونکہ ان کے ہاں تصوف کوئی اچھی چیز نہ تھا بلکہ وہ اسے دین کے خلاف سمجھتے تھے۔ اس کے بعد ان کو قرآن کریم سے شغف پیدا ہوا اور آپ تفسیری اشارات میں منہمک ہو گئے اور مطالعہ قرآن شروع کیا اور اسکی گہرائیوں سے اترنے کی کوششیں کیں۔ چنانچہ نئی ایجاد کردہ راہیں ان پر کھلنے لگیں اور ذہن میں یہ خیال پیدا ہوا کہ قرآن کے احکام اور احادیث کی روایات ایک دوسرے کے خلاف ہیں۔ چونکہ آپ اپنی لاعلمی اور قرآن وحدیث کے اصولوں سے نابلد ہونے کے باعث تطبیق کے ضابطے سے ناواقف تھے چنانچہ اسی چیز نے آپ کے ذہن کو ایک عجیب وغریب دھارے میں بہا دیا اور نتیجہ یہ نکلا کہ غلام احمد پرویز یوں احادیث نبویہؐ سے برگشتہ ہو گئے جو بعد میں انکار حدیث کا باعث بنا اور مطلقاً آپ علم حدیث سے انکار کر گئے اور تفسیر کو احادیث کی روایات سے ہٹ کر لکھا۔ چنانچہ اس دوران جن روایات کو انھوں نے اپنے مقصد کے مطابق پایا ان کو نقل کیا اور جن کو اپنے ذہن کے خلاف پایا تو بغیر تحقیق کے یوں احادیث کے ایک بہت بڑے ذخیرے سے انکار کر گئے۔

آپ ہوم ڈیپارٹمنٹ میں سیکشن آفیسر تھے مگر جلد ہی اپنے مشن کو آگے بڑھانے کے لیے ملازمت سے قبل از وقت ریٹائر منٹ لیکر 1956ء میں کراچی منتقل ہو گئے اور وہاں درس قرآن کا سلسلہ شروع کیا جو زندگی کے آخر تک جاری رہا اور یوں اکتوبر 1984 میں آپ علالت کے باعث صاحب فراش ہوئے اور 23 فروری 1985 کو انتقال کر گئے۔

غلام احمد پرویز نے اپنے نظریات کے فروغ کے لیے تقریباً پچاس سے زائد کتب تصنیف کی جس میں انھوں نے ہر دینی موضوع پر قلم اٹھا کر ایک نئی فکر وسوچ پیش کرنے کی کوشش کی۔ آپ کی تمام کتب آپکے ہم خیال ادارے "طلوع اسلام ٹرسٹ، لاہور" سے شائع ہوئیں۔

ان کی کتب کے مطالعے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ان کی زندگی میں جس شے نے زیادہ ہی جان پیدا کی وہ اُن کا تنقیدی نقطہ نظر تھا جس نے ان کو ہر شے کو شک کی نگاہ سے دیکھنے پر مجبور کیا۔ اور اسکے علاوہ آپ چونکہ مادی نظریات کے قائل تھے لہذا اگر کوئی چیز حادیث کے خلاف ہوتی تو اس سے آپ کی تشفی نہیں ہوتی تھی۔ بلکہ آپ اسکے لیے کسی ٹھوس دلیل کی تلاش وطلب میں سرگرداں رہتے تھے۔ چنانچہ ہر چیز میں دلائل کی تلاش و جستجو نے آپ کو مروجہ اسلام کے نظریات، تصورات، معتقدات اور رسوم ومناسک پر مرضی کے مطابق من مانی تحقیقات پر مجبور کیا جسکی وجہ سے وہ یہ موقف اختیار کرنے پر مجبور ہو گئے کہ دین اسلام کا بیشتر حصہ ہم نے دوسروں سے مستعار لیا ہوا ہے، چنانچہ اسی خیال نے ان کو قرآن کریم پر اپنی مخصوص تحقیق کے آغاز پر مائل کیا اور آپ نے بالکل نئے انداز میں قرآن کریم کی تشریح کی۔ آپ نے بزعم خویش از سرنو قرآنی آیات اور ان کا معنی ومفاہیم کا جائزہ لیا اور ان کے جدید معانی تلاش کئے اور ایک نئے انداز کو سامنے لایا۔ اسی طرح قرآن فہمی کے دوسرے مرحلے میں آپ نے "تصریف الآیات" کا یہ مطلب نکالا کہ دو آیات کے مفہوم کو پھیر پھیر کر لانا، اور یوں اس انداز سے تفسیر مکمل لکھ دی۔ اپنے خود ساختہ مفاہیم کے لیے چونکہ لغت کی کوئی مستند کتاب نہیں تھی جو کہ ان کے لیے معاون اور دلیل کا باعث بنتی لہذا ان کو اس مقصد کے لیے " لغات القرآن" کے نام سے قرآنی لغت کی ایک کتاب لکھنی پڑی جس میں قدیم لغات سے استفادہ کر کے اپنے مقصد کے مطالب ومعانی نکالنے لگے۔ اور یہ قرآنی موضوع پر کام کرنے کا سلسلہ دس سال تک جاری رہا جس کے بعد انھوں نے کئی ایک کتب کو نئے سرے سے تصنیف کرنا شروع کیا۔ اور اپنی من پسند تفاسیر وتشریحات کو بڑے فخریہ انداز میں پیش کیا۔

غلام احمد پرویز کا معجزات کے حوالے سے موقف:

اللہ رب العزت نے انبیاء علیہم السلام کو وقتاً فوقتاً معجزات عطا فرمائے ہیں جن کا ذکر قرآن کریم میں صراحتاً موجود ہے مگر غلام احمد پرویز ان تمام معجزات کی نفی کرتے ہیں اور قرآن کریم کے ہر اس مقام کو جو معجزے سے متعلق ہو ایسا مفہوم دینے کی کوشش کرتے ہیں جس سے وہ عقلی دائرہ

کار میں آجائے اور اسکی بنیادی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے پہلے سے ہی اس بات کا تعین کر رکھا ہے کہ کوئی بھی قرآنی مقام یا آیت خلاف عقل نہ ہو۔ چنانچہ ان کے مطابق اللہ تعالیٰ نے یہ کائنات بنا کر اسے قوانین کا تابع بنا دیا ہے اور ہر کام مقررہ قوانین کے مطابق ہی ہوتا ہے اور اس سلسلے میں کائنات بشمول جملہ انسانی امور اللہ تعالیٰ بذات خود بھی دخل اندازی نہیں کرتے اور یہاں پہنچ کر وہ خود بھی ضابطے اور قانون کے پابند ہیں اس لیے تمام وہ قرآنی واقعات جہاں باری تعالیٰ انسانی امور میں دخیل ہیں یا ایسے تمام کام جو قاعدے اور قانون سے ہٹ کر ہوئے ہیں وہاں غلام احمد پرویز نے آیات قرآنی سے معانی اور مفاہیم کو بدل کر رکھ دیا ہے اور اس بابت عربی کے جملہ قواعد وضوابط، ترجمہ و تفسیر، صرف و نحو اور عربی محاورات وغیرہ کو وہ بالائے طاق رکھتے ہوئے نظر آتے ہیں۔[1]

چنانچہ معجزات کے حوالے سے غلام احمد پرویز کہتے ہیں کہ مشرکین بارہا آنحضرتؐ سے معجزات کا تقاضا کرتے تھے جس کے جواب پہ آنحضرتؐ نے جو فرمایا اسکے حوالے سے قرآنی آیت اور اس کا مفہوم غلام احمد پرویز کے الفاظ میں ملاحظہ ہو:

"مخالفین کہتے کہ اگر آپؐ خدا کی طرف سے رسول ہیں تو کوئی معجزہ دکھایئے، اسکے بغیر ہم کیسے مان لیں کہ آپؐ مامور من اللہ ہیں"

{وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ}[2]

"یہ انکار کرنے والے کہتے ہیں کہ ایسا کیوں نہیں ہوا کہ اس شخص پر اس کے پروردگار کی طرف سے کوئی نشانی اترتی؟ اے رسول ﷺ! ان سے کہہ دو کہ عجیب، غریب نشانیاں (معجزات) دکھا کر حقیقت کو تسلیم کروانے کا سوال ہی نہیں، اسلئے خدائی قانون یہ ہے کہ جو شخص عقل و بصیرت سے کام نہیں لیتا، اسے صحیح راستہ نہیں دکھائی دیتا اور جو علم و بصیرت کی رو سے اسکی طرف متوجہ ہوتا ہے، اسکے سامنے نکھر کر آجاتا ہے۔"

جبکہ سورہ بنی اسرائیل میں ان مطالبات کی توضیح ان الفاظ میں آئی ہے:

{وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا۔ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا}[3]

جس کا مفہوم غلام احمد پرویز یوں بیان کرتے ہیں:

"اور یہ کہتے ہیں کہ ہم تو اس وقت تک تجھے ماننے والے نہیں جب تک کہ تو اس قسم کی باتیں کر کے نہ دکھادے، مثلاً ایسا ہو کہ تو حکم کرے اور زمین سے ایک چشمہ پھوٹ نکلے، یا تیرے پاس کھجوروں اور انگوروں کا ایک باغ ہو اور اس کے درمیان بہت سی نہریں رواں کر کے دکھادے، یا جیسا کہ تو کہتا ہے کہ ہم پر تباہی آئے گی تو اسکے لیے آسمان کے ٹکڑے ٹکڑے ہو کر ہم پر آگرے، یا اللہ اور اسکے فرشتے ہمارے سامنے آکھڑے ہوں۔ یا ہم دیکھیں کہ سونے کا ایک محل تیرے لیے مہیا ہو گیا ہے۔ ایسا ہو کہ تو ہم آسمان پر چڑھ جائے۔ اور اگر تو آسمان پر چڑھ بھی گیا تو ہم یہ بات ماننے والے نہیں جب تک تو ایک (لکھی لکھائی) کتاب ہم پر نہ اتار لائے، اور ہم خود

---

[1] حیدر علی، فکر پرویز اور قرآن، ص، ۴۷ مکتبہ دار السلام لاہور، ۲۰۱۷

[2] الرعد: ۲۷

[3] بنی اسرائیل: ۹۳،۹۰

اسے پڑھ کر جانچ نہ لیں۔ (اے رسول صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم) ان سے کہہ دے سبحان اللہ! (میں نے کچھ خدائی کا دعوی تو نہیں کیا) میں اسکے سوا کیا ہوں کہ ایک انسان ہوں جو تم تک حق کی بات پہنچاتا ہوں۔"[4]

چنانچہ غلام احمد پرویز کا موقف ان آیات کی روشنی میں یہ ہے کہ قرآن کریم میں اس طرح کی متعدد آیات ہیں جن میں یہ بتلایا گیا ہے کہ وہ لوگ بار بار معجزات طلب کرتے تھے اور اللہ کی جانب سے ہر مرتبہ اس کا شدت سے انکار ہوتا تھا۔ وہ فرید کہتے ہیں کہ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی جانب سے علم و حقائق عطا کیے جانے کے لیے (وحی کا) فوق الفطرت انداز اختیار کیا گیا تو پھر اس وحی کو تسلیم کروانے کے لیے کوئی خارق عادت عجوبہ کیوں نہ دکھا دیا گیا۔ بالخصوص جب مخالفین کی جانب سے اسکا بار ہا تقاضا کیا جا رہا تھا۔ لہذا یہ سوال جہاں غور طلب ہے وہاں اس کا جواب حقیقت کشا ہے۔[5]

وہ مزید کہتے ہیں کہ انسانیت کی راہنمائی کے لیے وحی کا طریقہ اس وجہ سے اختیار کیا گیا ہے کہ ابدی حقائق اور مستقل اقدار کا تخلیق یا دریافت کر لینا عقل انسانی کے بس کی بات نہیں تھی بلکہ پر اسکے دائرہ کار سے باھر کی چیز ہے۔ ان حقائق کو رسولؐ پر منکشف کر کے ان سے کہہ دیا کہ ان کو لوگوں کے سامنے پیش کر دو اور ان سے کہہ دو کہ تم عقل و فکر کی رو سے ان پر متوجہ ہو جاؤ اسکے بعد اگر تم اس نتیجہ پر پہنچو کہ یہ واقعتاً صداقت پر مبنی ہیں تو انہیں بطیب خاطر اپنی زندگی کا ضابطہ بنالو۔[6]

مندرجہ بالا تفصل سے دو باتیں سامنے آتی ہیں:

اولاً یہ کہ حضورؐ سے معجزات کا تقاضہ کیا گیا اور جواباً شدت سے اسکا انکار ہوتا رہا۔

ثانیاً: انسانی عقل و فکر کو متاثر اور اسکی قوت ارادی کو سلب کر کے کسی بات کا منوانا جبر و اکراہ میں شامل ہے لہذا معجزے کی کوئی ضرورت نہیں رہتی۔

جہاں تک پہلی بات کا تعلق ہے تو آپؐ سے جب معجزات کا مطالبہ کیا جاتا رہا تو آپؐ نے کبھی انکار نہیں فرمایا ہے۔ اور نہ ہی آپ نے یہ فرمایا کہ یہ طریقہ کار اللہ تعالیٰ کے ہاں روا نہیں رکھا گیا۔ یا اللہ تعالیٰ معجزے نہیں دیتا بلکہ آپؐ کا ہمیشہ جواب یہی ہوتا کہ معجزہ اللہ تعالیٰ کی قدرت و اختیار میں ہے چنانچہ اس حوالے سے قرآنی آیت ملاحظہ ہو:

{وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۚ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يُّنَزِّلَ اٰيَةً وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ}[7]

(اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ ان پر کوئی معجزہ کیوں نہیں نازل کیا گیا۔ ان کے رب کی طرف سے آپؐ فرما دیجئے کہ بے شک اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ وہ معجزہ نازل فرمائے لیکن ان میں سے اکثر بے خبر ہیں۔)

اسی طرح ایک دوسرے مقام پر ارشاد باری تعالی ہے:

{وَيَقُوْلُوْنَ لَوْ لَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۚ فَقُلْ اِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ فَانْتَظِرُوْا ۚ اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ}[8]

(اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ ان پر کوئی معجزہ کیوں نہیں نازل ہوا؟ پس آپ فرما دیجئے کہ غیب کی خبر صرف اللہ کو ہے

[4] پرویز، غلام احمد، معراج انسانیت، ص ۴۲۳، ۴۲۴، طلوع اسلام، ٹرسٹ، لاہور، 2002

[5] پرویز، غلام احمد، معراج انسانیت، ص ۴۲۳

[6] پرویز، غلام احمد معراج انسانیت، ص ۴۲۵

[7] الانعام: ۳۷

[8] یونس: ۲۰

پس تم بھی منتظر رہو، میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں۔)

اسی طرح ایک اور مقام پر ارشاد ربانی ہے:

{فَلْيَاْتِنَا بِاٰيَةٍ كَمَآ اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ۔ مَآ اٰمَنَتْ قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا ۚ اَفَهُمْ يُؤْمِنُوْنَ}[9]

(پس اسے چاہیے کہ ہمارے سامنے کوئی نشانی لائے جیسے کہ اگلے پیغمبر بھیجے گئے تھے۔ ان سے پہلے جتنی بستیاں ھم نے اُجاڑیں سب ایمان سے خالی تھیں۔ تو اب کیا یہ ایمان لائیں گے۔)

مذکورہ بالا اور ان کے علاوہ متعدد آیات میں تو معجزے کے اثبات کا تذکرہ ملتا ہے مگر انکار نہیں و گرنہ کتنا آسان تھا کہ آپؐ کہہ دیتے کہ اللہ کریم تو کسی کے ذہن کو متاثرہ ماؤف کر کے بات نہیں منواتے۔ لہذا آپ لوگ معجزے کا تقاضا مت کریں بلکہ ان آیات میں یہی کہا گیا ہے کہ معجزہ خالص اللہ تعالیٰ کا اختیار ہے جیسا کہ انبیائے سابقہ کے معاملے میں ہوا اور اللہ تعالیٰ اس بات کی قدرت رکھتا ہے۔

دوسری بات کہ معجزے کے ذریعے (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ اپنی بات زبردستی منوانا چاہتے ہیں تو یہ بھی غلط قیاس ہے۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو اللہ تعالی ویسے بھی فرما چکے ہیں کہ اگر وہ چاہتے تو تمام انسانوں کو ہدایت دے دیتے۔ اسکے ساتھ ساتھ انبیاء کرام نے اس سے قبل جتنے بھی معجزات دکھائے تو وہ معجزہ دیکھنے والے سب لوگوں نے قبول نہیں کیئے بلکہ بعض نے قبول اور بعض نے جھٹلایا اور معجزے کو جادو تک بھی قرار دیا۔ لہذا معجزے سے مقصود اگر قوت ارادی کو سلب کر کے ذہن کو متاثر کر کے اختیار و ارادہ کو عاجز کر کے اپنی بات منوانا ہوتا تو فرعون بھی ایمان لے آتا۔ اسی طرح امت مسلمہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ اللہ نے حضورؐ کو بہت سے حسی معجزات عطا فرمائے تھے جن میں معراج جسمانی اور شق قمر و غیرہ معجزات قرآن کریم میں مذکور ہیں اور آپؐ کے دیگر ظاہری اور حسی معجزات کا تذکرہ احادیث و سیرت کی کتاب میں موجود ہے۔ حتیٰ کہ آپ کے حسّی معجزات کا قدر مشترک حد تواتر کو پہنچا ہوا ہے۔ اور جس کا انکار صرف بصیرت، روحانیت سے محروم اور عاری شخص ہی کر سکتا ہے۔

لیکن غلام احمد پرویز اس حوالے سے لکھتے ہیں:

"جناب رسول اکرمؐ کو قرآن کریم کے سوا (جو عقلی معجزہ ہے) کوئی اور معجزہ نہیں"[10]

اسی طرح ایک اور مقام پر اپنی ایک کتاب میں یوں رقم طراز ہیں:

"آنحضرتؐ کے زمانہ میں انسانی عقل و فکر اپنی پختگی کو پہنچ چکی تھی۔ لہذا آپؐ کو کوئی حسی معجزہ نہیں دیا گیا۔ قرآن کریم سے حضورؐ کا کوئی حسّی معجزہ ثابت نہیں ہوتا"[11]

اسی طرح غلام احمد پرویز مزید لکھتے ہیں کہ:

"آپ کو حیرت ہوگی کہ رسول کی جانب سے اتنے سارے معجزات کیسے منسوب ہوگئے حالانکہ قرآنی صراحت کے تحت آپ کو قرآن کے علاوہ کوئی اور معجزہ نہیں ملا اور یہ دوسرے معجزات کتب روایات میں مذکور ہیں مگر حیرت کی ضرورت نہیں اسلئے کہ ان کتب میں رسولؐ کی جانب ایسی باتیں نسبت کی گئی ہیں کہ جن سے سعید روحیں کانپ اٹھتی ہیں جب بنیاد درست نہ ہو تو اس پر مبنی اشیاء پر تعجب کی کوئی وجہ نہیں"[12]

---

[9] الانبیاء، ۵،۶

[10] پرویز، غلام احمد، معارف القرآن، ۴/ ۳۱۷، طلوع اسلام ٹرسٹ لاہور، 2000

[11] پرویز، غلام احمد، معراج انسانیت، ص ۳۰۷

[12] پرویز، غلام احمد، معارف القرآن، ۴/ ۳۲۷

اسی طرح آنحضرتؐ کی معراج کا مطلب بیان کرتے ہوئے غلام احمد پرویز لکھتے ہیں:

"معراج النبیؐ کا مطلب ہجرت مدینہ اور مسجد اقصیٰ سے مراد مسجد نبویؐ ہے۔"[13]

چنانچہ غلام احمد پرویز مسجد اقصیٰ سے مسجد نبویؐ مراد لیتے ہیں۔ اور یہاں ضمناً یہ بات ملاحظہ ہو کہ مرزا غلام احمد قادیانی مسجد اقصیٰ سے کیا مراد لیتا ہے۔

مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) سے مراد مسیح موعود (یعنی مرزا غلام احمد قادیانی) کی مسجد ہے جو قادیان میں واقع ہے۔ معراج میں آنحضرتؐ مسجد الحرام سے مسجد اقصیٰ تک سیر فرما ہوئے تھے لہٰذا وہ مسجد اقصیٰ یہی ہے جو قادیان میں مشرقی جانب میں واقع ہے۔[14]

اسی طرح مسجد اقصیٰ سے مراد قادیان کی مسجد لیتے ہوئے قادیانی اخبار "الفضل" میں غلام احمد قادیانی مزید لکھتا ہے:

{سجن الذي اسرى بعبده ليلاً من المسجد الحرام إلى المسجد الأقصى الذي بركنا حوله}

"کی آیت کریمہ میں مسجد اقصیٰ سے مراد مرزا غلام احمد قادیانی کی مسجد ہے اور میں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بتا دیا ہے کہ قادیان کی زمین بابرکت ہے یہاں مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ والی برکتیں نازل ہوتی ہیں۔"[15]

اسی طرح غلام احمد قادیانی کے ہاں شعائر اللہ کی زیارت ضروری ہے اور وہ کہتا ہے کہ یہاں قادیان میں کئی ایک شعائر اللہ ہیں جنہیں مسجد مبارک مسجد اقصیٰ ضارۃ المسیح شامل ہیں۔[16]

مندرجہ بالا تفصیل سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ غلام احمد پرویز اور مرزا غلام احمد قادیانی معراج النبیؐ کے حوالے تو سے دونوں ہم نوا ہیں جن کے نظریات وعقائد میں کافی حد تک مماثلت ہے۔

اسی طرح غلام احمد پرویز اپنی کتاب میں حضورؐ کی معراج جسمانی کے حوالے سے یوں رقمطراز ہیں:

"اگر آج کوئی سائنسی ایجاد اس امر کا امکان پیدا کر دے کہ کوئی شخص روشنی کی رفتار سے مریخ یا چاند کے کرّوں تک پہنچ جائے تو پھر چند ثانیوں میں وہ واپس بھی آجائے تو پھر بھی میں حضورؐ کے معراج جسمانی کو قبول نہیں کروں گا۔"[17]

یہاں بھی ضمناً یہ بات ملاحظہ ہو کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے بھی آنحضرتؐ کے معراج جسمانی سے انکار کیا ہے اور اس کے ہاں معراج سے مراد اعلیٰ درجے کا کشف ہے چنانچہ وہ لکھتا ہے:

"اس جگہ اگر کوئی اعتراض کرے کہ اگر جسم خاکی کا آسمان پر چلا جانا محالات میں سے ہے تو پھر آنحضرتؐ کا معراج اس جسم خاکی کے ساتھ کیونکر جائز ہو گا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ معراج جسم کثیف کے ساتھ نہ تھا بلکہ وہ

---

[13] آیضا، ۴/ ۳۶۷

[14] قادیانی غلام احمد، اخبار الفضل، ۱۱ دسمبر ۱۹۳۲، قادیان

[15] قادیانی، غلام احمد، اخبار الفضل، ۲۱ اگست ۱۹۳۱

[16] قادیانی، غلام احمد، اخبار الفضل، ۸ جنوری 1933

[17] پرویز، غلام احمد، معارف القرآن، ۲/ ۲۴۱

نہایت اعلیٰ درجے کا کشف تھا۔"[18]

مذکورہ عبارت میں لفظ کثیف پر غور کریں کہ مرزا قادیانی نے آنحضرتؐ کے جسم اطہر کے لیے کتنی بیباکی سے استعمال کیا اور پھر اس جسارت میں آپؐ کی معراج کے واقع کو اعلیٰ درجے کے کشف تک پہنچا دیا اور پھر جب اسے یاد آیا کہ اس اعلیٰ درجے سے کشف سے میں خود کو کیوں محروم رکھوں تو مذکورہ عبارت میں آگے چل کر آنحضرتؐ سے ہمسری کا دعویٰ کر کے اس کمی کو پورا کیا اور مزید لکھا کہ:

"یہ کشف کا بزرگ ترین مقام ہے، جو درحقیقت بیداری سے یہ حالت زیادہ اصفی واجلی ہوتی ہے اور اس قسم کے کشفوں میں مؤلف خود صاحب تجربہ ہے۔"[19]

مرزا غلام احمد قادیانی مزید کہتا ہے:

"یہاں پر اعتراض ہے کہ نیا اور پرانا فلسفہ متفقہ طور پر اس بات کو محال ثابت کرتا ہے کہ کوئی انسان اپنے اس جسم خاکی کے ساتھ کرہ زمہریر تک بھی پہنچ سکے، بلکہ طبعی علوم کے جدید تحقیقات یہ ثابت کر چکی ہیں کہ بعض بلند پہاڑیوں کی چوٹیوں پر پہنچ کر اس طبقہ کی ہوا ایسی مضر صحت معلوم ہوئی ہے کہ جس میں زندہ رہنا ممکن نہیں۔ لہذا اس جسم خاکی کا کرہ ماہتاب یا کرہ آفتاب تک پہنچنا کس قدر لغو خیال ہے۔"[20]

چنانچہ غلام احمد پرویز سورۃ بنی اسرائیل کی ابتدائی آیت{سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَاؕ}[21] کی تفسیر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"مخالفین کی جن ریشہ دوانیوں کی جانب پیچھے اشارہ کیا گیا ہے انہیں کی آخری سکیم یہ تھی کہ رسولؐ کو چپکے سے قتل کر دیا جائے مگر خدا کی سکیمیں اتنی بلند و برتر ہیں کہ وہ ان کے قیاس و گمان میں نہیں آسکتیں۔ چنانچہ وہ اپنی سکیم کے مطابق اپنے بندے کو راتوں رات بیت الحرام (مکہ) سے نکال کر (مدینہ) کی وسیع زمین کی جانب لے گیا تاکہ اس دور دراز مقام میں جا کر نظام خداوندی کی تشکیل کرے۔ ہم نے اس قیام اور اس کے گردوپیش کو بڑا بابرکت بنایا ہے۔ اس کی فضا آسمانی انقلاب کے لیے بڑی سازگار ہے یہ سب کچھ اس لئے کیا گیا ہے کہ خدا ان باتوں کو آشکارہ کر دے جن کا اتنے عرصے سے وعدہ کیا جاتا رہا ہے۔"[22]

جبکہ آیت کریمہ کا درست ترجمہ یوں ہے:

"پاک ہے وہ ذات (اللہ تعالیٰ) جو اپنے بندے کو رات ہی رات میں مسجد حرام (یعنی بیت اللہ) سے مسجد اقصیٰ (یعنی بیت المقدس) تک لے گیا۔ جس کے آس پاس ہم نے برکتیں دے رکھی ہیں۔ تاکہ ہم اسے اپنی قدرت کی نشانیاں دکھائیں۔"

لیکن غلام احمد پرویز نے اسکے مفہوم کو بدل کر رکھ دیا اور مسجد اقصی سے مراد یہاں مدینہ طیبہ لیا جو قرآنی آیت کے معانی کے سراسر خلاف ہے۔

---

[18] قادیانی، غلام احمد، مرزا، ازالہ اوہام، ۳/۲۰

[19] قادیانی، غلام احمد، مرزا، ازالہ اوہام، ۳/۲۱

[20] قادیانی، غلام احمد، مرزا، ازالہ اوہام، ۳/۲۱

[21] بنی اسرائیل: 1

[22] پرویز، غلام احمد، مفہوم القرآن، ص، ۶۲۶

اسی طرح غلام احمد پرویز اسی آیت کی تشریح میں مزید لکھتے ہیں:

{سجن الذي اسرى بعبده ليلا من المسجد الحرام}

کہا! کیا بات ہے ان کی تدبیروں کی! آپؐ کے خلاف کفار نے کیا کچھ نہیں کیا ہو گا۔ انتہائی تدبیر یہ تھی کہ کسی طرح سارے قبائل کا ایک ایک نمائندہ مل کر آپؐ کو راتوں رات قتل کر دیا جائے۔ تاکہ روز روز کا ٹنٹا ہی ختم ہو جائے۔ ان کا کہنا تھا کہ تیرہ سال ہو گئے ہیں اس نے مستقل طور پر زندگی عذاب میں ڈال رکھی ہے۔ اس کا اس کے سوا اور کوئی علاج نہیں ہے۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق کہا "گھبراؤ نہیں"۔ یہ دیکھو کہ وہ ان کی گرفت سے کتنا اونچا ہے، جس نے یہاں ان کے لیے تدبیر کی اور وہ راتوں رات ان کو یہاں سے نکال کر مدینے کی طرف لے گیا۔[23]

چنانچہ غلام احمد پرویز کی قرآن فہمی اور عقل و تدبر پر جتنا بھی افسوس کیا جائے کم ہو گا کہ انھوں نے اس آیت میں میں "اسریٰ" سے مراد خنجر، مسجد حرام سے مراد پورا "مکہ" اور مسجد اقصی سے مدینہ مراد لیا ہے۔ لہذا وہ کہتا ہے کہ حضورؐ مسجد حرام سے بیت المقدس نہیں بلکہ مدینہ تشریف لے گئے۔ اب یہاں یہود و نصاری سے بھی اگر پوچھا جائے کہ مسجد اقصیٰ سے کیا مراد ہے تو ان کا جواب ہو گا بیت المقدس۔ مگر پرویز کی اس سے بڑی کم فہمی کیا ہو گی کہ مدینے میں آپؐ کی تشریف آوری سے قبل کب مسجد موجود تھی کہ قرآن کریم نے اسے مسجد اقصٰی کے نام سے پکارا۔ اور یہ کہ مدینے کو ہجرت نبویؐ سے پہلے کب کوئی برکت حاصل تھی۔ چنانچہ قرآن نے ہجرت سے قبل اس کو اسکے اصلی نام یثرب سے پکارا مگر جب آنحضرتؐ وہاں شریف لے گئے تو وہ "مدینہ" کے لقب سے معروف ہوا۔ اور خود قرآن کریم نے اسے مدینہ کے نام سے یاد کیا۔ جیسا کہ آیت کریم میں ارشاد ہے:

{ لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ}[24]

"اگر ہم مدینہ واپس گئے اس حقیقت پر دال ہے۔"

جبکہ غلام احمد پرویز ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

> "سورۃ بنی اسرائیل کی آیت اسریٰ میں کہا گیا ہے یا ہے کہ خدا اپنے بندے کو رات کے وقت مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ کی جانب لے گیا تاکہ وہاں اسے اپنی آیات دکھائے۔ خیال ہے کہ اگر یہ واقعہ خواب کا نہیں تو یہ حضورؐ کی شب ہجرت کا بیان ہے۔ اسی طرح مسجد نبویؐ سے مراد مدینہ کی مسجد نبویؐ ہو گی جسے آپ نے وہاں جا کر تعمیر فرمایا۔"[25]

چنانچہ مندرجہ بالا حوالہ جات سے یہ معلوم ہوا کہ غلام احمد پرویز نے واقعہ اسراء (معراج) اور واقعہ ہجرت کو ایک ہی واقعہ قرار دیا ہے جو کہ بوجوہ غلط ہے۔

1. سورہ اسراء بلحاظ ترتیب نزولی ۵۰ نمبر پر ہے اسکے بعد مکہ میں مزید ۳۶ سورتیں نازل ہوئیں اور اس کے بعد ہجرت کا وقت آیا تھا۔
2. واقعہ اسراء تو واقعی ایک رات کا واقعہ ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ہے مگر ہجرت میں ۱۵ دن اور ۱۵ راتوں کا دورانہ لگا تھا لہذا اس پر لیلاً یعنی ایک رات یا راتوں رات کا اطلاق کرنا درست نہیں۔
3. مسجد اقصٰی اسم معرفہ اور ایک معروف مسجد کا نام ہے جو دور بنی اسرائیل سے لیکر آج تک موجود اور اسی نام سے متعارف ہے۔ لہذا

---

[23] پرویز، غلام احمد، مطالب الفرقان في دروس القرآن، ص ۲۳، سورہ بنی اسرائیل، طلوع اسلام ٹرسٹ لاہور 1998ء

[24] المنٰفقون: 8

[25] پرویز، غلام احمد، معارف القرآن، ۴/ ۷۳

مسجد اقصیٰ کا مفہوم اور دور دراز کا مقام بیان کرنا اور عرضی معانی چھوڑ کر لغوی معنی بیان کرنا سراسر لغو اور بے بنیاد ہے۔

اسی طرح معجزات میں سے ایک اھم معجزہ جناب رسول اللہ ﷺ کا معجزہ شق القمر ہے جو کہ قرآن کریم اور احادیث مبارکہ سے ثابت ہے۔ چنانچہ اسکے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

{اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ- وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ- وَكَذَّبُوْا وَاتَّبَعُوْا اَهْوَآءَهُمْ وَكُلُّ اَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ- وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنَ الْاَنْبَآءِ مَا فِيْهِ مُزْدَجَرٌ- حِكْمَةٌ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ- فَتَوَلَّ عَنْهُمْ ۘ يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ اِلٰى شَيْءٍ نُّكُرٍ- خُشَّعًا اَبْصَارُهُمْ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ كَاَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنْتَشِرٌ- مُّهْطِعِيْنَ اِلَى الدَّاعِ ؕ يَقُوْلُ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا يَوْمٌ عَسِرٌ}[26]

(قیامت قریب آگئی اور چاند پھٹ گیا۔ یہ اگر کوئی معجزہ دیکھیں تو منہ پھیر لیتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ زور دار چلتا ہوا جادو ہے۔ انہوں نے جھٹلایا اور اپنی خواہشات کی پیروی کی اور ہر کام ٹھہرے ہوئے وقت پر مقرر ہے۔ یقیناً ان کے پاس وہ خبریں آچکی جن میں ڈانٹ ڈپٹ کی نصیحت ہے اور مکمل عقل کی بات ہے۔ لیکن ان ڈراونی باتوں نے بھی کوئی فائدہ نہ دیا۔ پس آپؐ ان سے اعراض کیجئے جس دن ایک پکارنے والا ناگوار چیز کی طرف پکارے گا۔ یہ جھکی ہوئی قبروں سے اس طرح نکل کھڑے ہوں گے کہ گویا وہ پھیلا ہوا ٹڈی دل ہے۔ پکارنے والے کی جانب دوڑتے ہوں گے اور کافر کہیں گے یہ دن تو بہت سخت ہے۔)

واقعہ شق القمر کے حوالے سے قرآنی آیات کی بعد احادیث مبارکہ سے بھی تواتر کے ساتھ منقول ہے چنانچہ امام ترمذیؒ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے:

(حدثنا عبد ابن حميد ، حدثنا عبد الرزاق ، عن معمر، عن قتادة : عن النبين قال سال اهل مكه النبي آية فانشق القمر بمكة مرتين ،فنزلت: اقتربت الساعة والنشق القمر الى قوله سحر سحر نه مستمر سورة القمرآية 1-2 ، يقول : ذاهب".قال ابو عيسٰى : هذا حديث حسن صحيح)[27]

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اہل مکہ نے نبی اکرمؐ سے نشانی (معجزے) کا مطالبہ کیا جس پر مکہ میں چاند دو بار دو ٹکڑے ہوا۔ اس پر آیت (اقتربت الساعة والشق القمر) سے لیکر سحر مستمر تک نازل ہوئی، راوی کہتے ہیں: سحر مستمر میں مستمر "کا مطلب ہے" ذاہب" (یعنی وہ جادو جو چلا آرہا ہو)۔ امام ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

اسی طرح ترمذی کی ایک اور حدیث میں جبیر بن مطعم سے روایت ہے کہ نبی اکرمؐ کے زمانہ میں چاند پھٹ کر دو ٹکڑے ہو گیا۔ ایک ٹکڑا اس پہاڑ پر اور ایک ٹکڑا دوسرے پہاڑ پر، ان لوگوں نے کہا کہ محمدؐ نے ہم پر جادو کر دیا ہے۔ لیکن انہی میں سے بعض نے تردید کرتے ہوئے کہا کہ اگر انھوں نے ہم پر جادو کیا ہے تو باہر کے تمام لوگوں کو جادو کے زیر اثر نہیں لاسکتے۔ (کیونکہ باہر سے آنے والے لوگوں نے چاند کے دو ٹکڑے ہونے کی خبر دی تھی)۔[28]

مندرجہ بالا آیات و احادیث واقعہ شق القمر کے حوالے سے ٹھوس اور واضح طور پر نصوص سے ثابت ہیں جس سے آنحضرتؐ سے کفار نے معجزہ کا

---

[26] القمر: ۱تا۸

[27] الترمذی، ابو عیسی ، السنن، (رياض : دار السلام ۱۴۱۰ ھ) كتاب الفتن عن رسول اللهﷺ باب ما جاء في انشقاق القمر،ح: 3286

[28] الترمذی ، ابوعيسى ، السنن، كتاب الفتن، باب ما جاء في انشقاق، القمر، 7:3285

دکھلانے کا جو مطالبہ کیا تھا وہ آپؐ سے ظاہر ہوا۔ اور چاند دو ٹکڑے ہو گیا لیکن غلام احمد پرویز معجزہ شق القمر کو دیگر معجزات کی طرح تسلیم نہیں کرتے اور وہ اس حوالے سے کہتے ہیں، آیات قرآنی کا مفہوم ان کے الفاظ میں واضح ہو۔

1. وہ انقلاب کی گھڑی (جس کا اتنے عرصے سے کہا جا رہا ہے) بالکل قریب آپہنچی ہے اب ان مخالفین عرب کی قوت و شوکت ختم ہو جائے گی۔ اور ان کا پرچم (جس پر چاند کا نشان ہے) ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا۔
2. اس آنے والے واقعے کی کئی علامات ان کے سامنے آچکی ہیں مگر ان کی سرکشی اور مدہوشی کی کیفیت یہ ہے کہ یہ ان پر سنجیدگی سے غور ہی نہیں کرتے بلکہ الٹے منہ پھیر کر چل دیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ یہ سب وہی جھوٹے افسانے ہیں جن کو ہم ایک عرصے سے سنتے چلے آرہے ہیں۔
3. یہ اس انقلاب کے حوالے سے ہر بات کو جھٹلاتے ہیں اور بدستور اپنے مفاد پرستوں کے پیچھے چلے جاتے ہیں۔ (اور جب ان سے ذرا زور سے کہا جائے۔ تو ان کا جواب یہ ہوتا ہے کہ جس تباہی سے متعلق یوں دھمکیاں دی جا رہی جا رہی ہیں اسے لیکر کیوں نہیں آتے انکو یہ معلوم نہیں کہ) اعمال کے نتائج اپنے وقت پر محسوس صورت میں سامنے آتے ہیں۔[29]

چنانچہ پرویز کے ان خرافات پر تبصرہ کرتے ہوئے حیدر علی اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

> "یہ تھا پرویز صاحب کا مفہوم۔ ظاہر ہے اسمیں گرائمر کے اصول و ضوابط، تراجم کے اسلوب، لسان العرب، سیاق و سباق وغزہ کا ذرا بھی لحاظ نہیں رکھا گیا۔ بلکہ یہ ان سب سے وراء پرویز صاحب کی ذہنی اختراع ہے جسمیں چاند کے پھٹنے پر محمول کیا ہے جبکہ دوسری آیت کو مزید واضح کر رہی ہے کہ اگر وہ کوئی معجزہ دیکھتے ہیں تو اس سے اعراض کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ یہ زور دار چلتا ہوا جادو ہے۔ پرچم کا پھٹنا تو جادو نہ تھا جبکہ چاند کا دو ٹکڑے ہو جانا دو ہی ہو سکتا ہے (ان لوگوں کی نظر میں) جبکہ وہ تو معجزہ خداوندی تھا۔"[30]

جہاں تک معجزہ شق القمر کے حوالے سے عقلی دلائل کا تعلق ہے۔ تو یہ عملی طور پر بھی مسلمان کے ہاں ممکن الوقوع ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اللہ زمین و آسمان اور جملہ کائنات کا خالق و مالک ہے اور وہ اجرام سماوی اور سیارگان فلک میں اپنی مرضی کے مطابق تصرف کر سکتا ہے۔ اللہ کا نبی ﷺ زمین پر اسی کا بھیجا ہوا۔ تبھی اسکی سچائی کو ظاہر کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ اس کو کائنات میں تصرف کا اختیار دے دیتا ہے اور چونکہ یہ اختیار و اقتدار اللہ کا دیا ہوتا ہے لہذا ایک مسلمان کے لئے اسمیں کسی قسم کے تردد کی بات نہیں اور نہ ہی اس معجزے سے انکار کی کوئی وجہ ہے۔ البتہ غیر مسلموں کے ہاں اس حوالے سے ذہنی ناآسودگی، بے اطمینانی اور الجھن کا جو اظہار پایا جاتا ہے وہ اُلجھن یہ کہ تاریخ عالم میں اسکا تذکرہ نہیں ملتا اگر یہ وقوع پذیر ہوتا تو تاریخ اقوام عالم میں لیکن ضرور کہیں اسکا تذکرہ ملتا۔ لیکن اس اعتراض کی حیثیت فقط ایک مفروضہ سے زیادہ نہیں، تاریخ کی کتب میں نہ ہونا اسکے عدم وقوع کی دلیل نہیں، بہت سے ایسے واقعات ہیں کہ جو تاریخ کے صفحات میں مندرج نہیں مگر ان کا وقوع سب کے ہاں مسلم ہے۔

دوسری بات یہ کہ یہ معجزہ رات کے وقت پیش آیا جبکہ زمین کے نصف کرے پر دن کا وقت تھا، دن جب طلوع ہوا ہو تو دھوپ کی روشنی میں چاند ویسے بھی دکھائی نہیں دیتا، اسکا پہلا پہر تھا۔ کہیں آخری اور درمیان رات کے درمیانی اور آخری حصوں میں لوگ ویسے ہی سوئے ہوئے ہیں اور پہلے پہر میں اگر بیدار بھی ہو رہے ہوں تو ضروری نہیں کہ وہ آسمان کی جانب سے نظریں جمائے ہوئے ہوں گے بلکہ وہ کسی اور کام میں بھی

---

[29] پرویز، غلام احمد، مفہوم القرآن، ص ۱۶۴۸

[30] فکر پرویز اور قرآن، ص ۲۲۲، مطبوعہ دار الفرقان لاہور 2005

مصروف ہو سکتے ہیں۔
دیکھنے یا یہ عمل بھی مستحق ہو سکتا ہے جب اس حیرت انگیز واقع کا قبل از وقت علم ہو کہ چاند دو ٹکڑے ہونے لگا ہے۔ لیکن وہاں تو ایسی کوئی صورت نہ تھی۔ نہ کوئی منتظر تھا اور یہ واقعہ بعد از وقوع چند لمحوں میں اختتام پذیر ہو گیا۔ چنانچہ ان حالات میں اگر کسی نے نہیں دیکھا، یا بہت کم لوگوں نے دیکھا تو اس سے انکار کا جواز نہیں نکلتا، کئی مرتبہ ایسے ہوتا ہے کہ چاند گرہن ہوتا ہے مگر لوگ اسے اپنی مصروفیات کے باعث نہیں دیکھتے اور اس سے بے خبر ہوتے ہیں۔
اسکے علاوہ تمام دیکھنے والے مصنف و مورخ بھی نہیں ہوتے بلکہ وہ فقط زبانی ہی تذکرہ کر سکتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنی محافل میں یہ تذکرہ کیا، پھر آہستہ آہستہ ذہنوں سے اوجھل ہو گیا۔ لہذا تبھی تاریخ میں تذکرہ نہ ہونا کوئی دلیل نہیں ہے۔ اس طرح سابقہ کتب میں اس واقعے کا ذکر نہ آنے کا دعویٰ باطل ہے کیونکہ اسلام کی مستند کتب احادیث اس واقعے کے تذکرے سے بھری ہیں۔ بلکہ محدثین کے ہاں تو ایسی احادیث کی تعداد حد تواتر تک ہے جس میں اس معجزے کا ذکر ہے۔

عبد اللہ چکڑالوی اور معجزات:

آپ میانوالی (پنجاب کے علاقے چکڑالہ میں 1915) میں پیدا ہوئے۔ اصل نام غلام نبی تھا لیکن نبیؐ اور احادیث سے نفرت کے باعث اپنا نام غلام نبی سے تبدیل کر کے عبد اللہ رکھ لیا۔ چنانچہ ڈاکٹر پروفیسر عبد الرؤف ظفر لکھتے ہیں:

"احادیث سے نفرت کی بناء پر اپنا نام عبد اللہ بن سبا کی طرح عبد اللہ رکھا۔ اُس نے اسلامیہ احادیث کا انکار کر کے (اپنا نام) اہل قرآن رکھا اور مسلمانوں کو اسلام سے منحرف کرنے لگا۔ اپنے تمام ذخیرہ حدیث اور اقوال نبویؐ کو معاذ اللہ شیطانی خیال کیا۔"[31]

ان کا تعلق ابتداءً اہل حدیث سے تھا مگر بعد میں اپنے لیے "اہل قرآن" کا لقب پسند کیا، آپ ایک الگ فرقہ "اہل القرآن" کے بانی ہیں جسکا تبلیغی مرکز لاہور میں ہے۔ عبد اللہ چکڑالوی وہ پہلا شخص ہے جس نے احادیث نبویہ کا کھل کر انکار کیا اور انبیاء کی اطاعت کا تذکرہ زندگی بھر اس کو کھٹکتا رہا۔ تبھی "الرسول" سے مراد قرآن لیا۔
دہلی سے علم حدیث کی تعلیم حاصل کی وہاں سے لاہور میں منتقل ہوئے۔ لاہور میں کچھ عرصہ حدیث کا درس دیتے رہے اور کچھ عرصے بعد اپنے درس میں صحیح بخاری کے لیے اصح الکتاب بعد کتاب الباری کی دلیل ذکر کر کے صحیح بخاری کے علاوہ احادیث کی دوسری کتاب کو مشکوک قرار دیا اور ایک عرصے تک بخاری کا درس جاری رکھے رہا۔ لیکن اضطراب طبع نے بخاری اور قرآن میں تقابل شروع کروا دیا۔ چنانچہ بعض احادیث کو آیات اللہ کے خلاف قرار دیکر اعلان کیا کہ قرآن کریم جب ایک مکمل کتاب ہے تو احادیث کی کیا ضرورت ہے؟ جہاں تک آپ کے عقائد و نظریات کا تعلق ہے تو آپ پہلے اہل حدیث اور مسع سنت تھے بعد میں نہ صرف حجیت حدیث کے منکر بن گئے بلکہ اسے شرک فی الکتاب قرار دیا۔
چنانچہ اپنی تفسیر "ترجمہ القرآن" میں آپ یوں رقمطراز ہیں:

"پس کتاب اللہ کے ساتھ شرک سے مراد یہ ہے کہ جیسے کتاب اللہ کے احکام کو مانا جاتا ہے اسی طرح کسی اور کتاب یا شخص کے قول یا فعل کو دین اسلام میں مانا جائے خواہ فرضاً جملہ انبیاء ورسل کا قول یا فعل بھی کیوں نہ ہو۔ جیسے شرک باعث عذاب ہے ویسے ہی "ان الحکم الاللہ" اور "الا له الحکم والامر" اور "ولا یشرک فی

[31] ظفر، عبد الرؤف، پروفیسر، علوم الحدیث، ص ۱۰۸، نشریات لاہور، ۲۰۰۹

حکمه احدا" کے شرک فی الحکم یعنی مسائل میں سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کا حکم ماننا بھی اعمال کا باطل کرنے والا باعث ابدی و دائمی عذاب ہے اور افسوس شرک فی الحکم میں آج کل اکثر لوگ مبتلا ہیں۔"[32]

اسی طرح موصوف نے حدیث کے حوالے سے یوں لکھا ہے:

"قرآن میں دین اسلام کی ہر ایک چیز من کل الوجوہ مفصل و مشرح طور پر بیان کی گئی ہے تو اب وحی خفی یا احادیث کی کیا حاجت رہی؟ بلکہ اسکا ماننا اور دین اسلام میں اس پر عملدرآمد کرنا سراسر کفر، شرک اور ظلم و فسق ہے۔"[33]

اسی طرح عبد اللہ چکڑالوی اپنی تفسیر میں احادیث کے حوالے سے مزید لکھتے ہیں:

"کسی جگہ سے یہ بات ثابت نہیں ہے کہ قرآن کے ساتھ کوئی چیز آپؐ پر نازل ہوئی تھی، اگر کوئی شخص کسی مسئلہ میں قرآن کریم کے علاوہ اور شے سے دین اسلام میں حکم کرے گا تو وہ مطابق آیات مذکورہ بالا کافر ظالم اور فاسق ہو جائے گا۔"[34]

اسی طرح آپ نے حدیث، فقہ، تفسیر اور تقلید کے متعلق یوں لکھا ہے:

"ان کے وجود سے قرآن کو بہت ضرر پہنچا ہے اور پہنچ رہا ہے اور کوئی چیز ایمان کو اس قدر ضرر نہیں پہنچا سکتی جس قدر کہ تقلید، قرآن کو اپنی آنکھوں سے پڑھیں تو حقیقت نظر آئے گی۔ بخاری، مسلم یا امام ابو حنیفہ، امام شافعی یا فخر الدین و جلال الدین کی آنکھوں سے نہیں دیکھنا چاہیئے۔"[35]

چنانچہ انکار حدیث کی بناء پر آپ دوسرے منکرین حدیث کی طرح معجزات، شفاعت، عذاب قبر، ایصال ثواب اور تعدد ازدواج وغیرہ کے بھی قائل نہیں تھے۔ اور اسی طرح آپ نے عمومی طور پر مسلمان جس طریقے سے نماز ادا کرتے ہیں اسکو بھی قرآن کے خلاف تصور کرتے ہیں اور ان کے ہاں مسلمانوں نے اصل نماز کا طریقہ بدل ڈالا ہے۔

اسی طرح جناب رسول اکرمؐ کا سفر معراج جسکے حالت بیداری میں ہونے پر امت کا اتفاق ہے لیکن عبد اللہ چکڑالوی معراج نبویؐ کے حوالے سے یوں رقمطراز ہیں:

"رب العلمین نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بطور معجزہ سخت اندھیری رات میں صرف بحالتِ نیند، خواب ہی میں اس خاص زمین کی سیر کروائی یعنی مسجد الحرام سے لیکر مسجد اقصی بیت المقدس تک تمام مقامات کو ظاہر طور پر پورا پورا دکھا دیا۔"[36]

ان کی اس رائے اور موقف کے حوالے سے شیخ الحدیث مولانا سرفراز خان صفدر لکھتے ہیں:

"لغت کی کونسی کتاب میں یہ حوالہ ملتا ہے کہ اسراء کا لفظ خواب میں سیر کروانے پر ہی بولا جاتا ہے اور بیداری

---

[32] چکڑالوی، عبد اللہ، تفسیر ترجمۃ القرآن، ص ۹۸ مطبوعہ لاہور ۱۳۲۰

[33] امر تسری، خواجہ احمد، تسہیل برہان القرآن، ص ۴۵، دوست ایسوسی ایٹس لاہور 1995

[34] چکڑالوی، عبد اللہ، تفسیر ترجمۃ القرآن، ص ۴۲

[35] چیمہ، غلام رسول، پروفیسر، مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ، ص ۲۹۷، مطبوعہ غلام رسول اینڈ سنز لاہور، مارچ 2016

[36] چکڑالوی، عبد اللہ، تفسیر ترجمۃ القرآن بآیات الفرقان، پارہ ۱۵، ص ا

میں رات کی سیر پر اسکا اطلاق نہیں ہوتا؟ اور نیز خواب کا یہ واقعہ کونسا تعجب خیز تھا جسکو اللہ تعالیٰ نے "سبحان" کے ساتھ شروع کیا ہے؟ اور یہ کہ لفظ "عبد" محض روح کے لیے استعمال کیا جاتا ہے جسم اور روح دونوں کے لیے مستعمل نہیں ہے؟"[37]

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات قرآن حکیم میں ذکر کیے گئے ہیں کہ وہ مٹی کے پرندے بنا کر انہیں پھونک مارتے تو وہ باذن اللہ پرندہ بن کر اڑنے لگتے تھے، مادر زاد اندھوں کو باذن اللہ بینائی عطا کرتے تھے، مردوں کو زندہ کرتے تھے لیکن چکڑالوی کے ہاں اسکا مفہوم کچھ اور ہے جو کہ یہ ہے:

"جیسے چار مشہور شکاری پرندے باز، باشہ، چرخ، شاہیں شکاری پرندے تعلیم و تربیت سے فرماں بردار ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ نے مردگان ایمان کو تعلیم و تربیت فرمائی اور وہ مطیع ہو گئے۔"[38]

اسی طرح ابری الاکمہ یعنی اللہ کے حکم سے اندھوں کو بینا کرنے کے متعلق وہ لکھتے ہیں:

"جسمانی اندھے ہر گز ہر گز مراد نہیں ہو سکتے کیونکہ رسل انبیاء ڈاکٹر و طبیب جسمانی نہیں ہوا کرتے بلکہ ایمانی اندھوں کو ہی صحت یاب وشفایاب کیا۔"[39]

جبکہ حضرت عیسی علیہ السلام کے احیاء موتیٰ سے متعلق لکھتے ہیں کہ ہیں کہ:

"احیاء موتیٰ سے جسمانی مردوں کا زندہ کرنا ہر گز ہر گز وہم وخیال تک نہیں ہو سکتا بلکہ خاص ایمانی مردوں ہی کا زندہ کرنا مراد ہے۔"[40]

چنانچہ چکڑالوی صاحب یہ لکھ کر تو چلے گئے مگر اس عقدہ کو حل نہ کیا کہ روحانی امراض کا علاج تو تمام انبیاء ورسل کرتے رہے پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تخصیص کی وجہ اس میں کیا ہوئی؟ پھر کیا وجہ ہے کہ یہ معجزات حضرت عیسیٰ کے بیان ہوئے ہیں اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کے مذکور نہ ہوئے۔ اسی طرح اس کے علاوہ بھی چکڑالوی صاحب کی تحریفات کے حوالے سے مولانا سرفراز خان صفدر لکھتے ہیں:

"نار ابراھیمؑ سے فتنہ کی آگ مراد لی ہے اور داؤد علیہ السلام کے ساتھ پہاڑوں اور پرندوں کی تسبیح پڑھنے سے مراد یہ لی ہے کہ یا جبال سے پہاڑی لوگ مراد ہیں اور الطیر سے طیر نامی قوم مراد ہے۔ وادی تیہ میں حضرت موسیٰؑ سے ان کی قوم نے پانی طلب کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فقلنا اضرب بعصاک الحجر۔ چکڑالوی صاحب نے اس سے یہ مراد لی ہے کہ آپ اپنی جماعت کو پہاڑ کی جانب لے جائیں۔ چنانچہ وہ پہنچے تو دیکھا کہ وہاں چشمے بہہ رہے تھے۔ مگر یہ راز حل نہ کیا کہ جب اس قوم کو چالیس سال تک وادی تیہ سے نکلنا ہی ممنوع تھا تو پھر پانی کے لیے پہاڑوں کی طرف جانے کا کیا سوال؟ مگر ان امور سے چکڑالوی صاحب اور ان کی جماعت کو کیا غرض ؟ غرض ان کے نظریات تو اپنی جگہ اٹل اور محکم ہیں۔ اور یہ عقدہ بھی حل نہ کیا کہ فتنہ کی آگ تو تمام انبیاء کرام کے خلاف دشمنوں نے بھڑکائی تھی پھر قلنا ینار کونی برداوسلما، علی ابراھیم کی تخصیص کی وجہ کیا ہے؟ اور جب ان

[37] صفدر، سرفراز خان، مولانا، انکار حدیث کے نتائج، ص ۴۴، مکتبہ گجرانوالہ 1998

[38] چکڑالوی، ترجمۃ القرآن فی تفسیر القرآن، ص ۱۷۲

[39] ایضاً: ص ۱۷۲

[40] ایضاً: ص ۱۷۲

پر فتنہ کی آگ ٹھنڈی پڑ گئی تھی تو لا محالہ لوگ ان کے دین کو قبول کر چکے ہوں گے (کیونکہ کفار تو کبھی کسی نبی سے مقابلہ کرنے سے نہیں ہارے) پھر حضرت ابراہیم کو اني مهاجر الى ربي کہہ کر عراق اور بابل کے علاقے سے ہجرت کر کے ملک شام جانے کی کیا ضرورت درپیش ہوئی۔ اور کیا پہاڑی لوگوں کی طرف فقط حضرت داؤدؑ مبعوث ہو گئے تھے۔"[41]

مندرجہ بالا تفصیلی بحث سے یہ خلاصہ نکلتا ہے کہ عبداللہ چکڑالوی جہاں احادیث مبارکہ کا انکار کرتے ہیں اوران کو درست نہیں سمجھتے وہاں وہ قرآن وحدیث کے دیگر بہت سارے احکامات کا بھی سراسر انکار کرتے ہیں اور بالخصوص معجزات نبویؐ اور انبیاء بھی ان کے ہاں کوئی معنی رکھتے اور احادیث کو تو وہ سرے سے مانتے ہی نہیں البتہ قرآن کریم کے اندر بھی جہاں جہاں معجزات سے متعلق آیات واحکام ہیں وہ اعلانیہ طور پر ان سے تحریف کرتے ہیں۔

حافظ اسلم جے راج پوری اور معجزات:

ان کی پیدائش 1299ھ بمطابق 1881ء میں جیراج پور ضلع اعظم گڑھ یوپی انڈیا میں معروف اہل حدیث عالم مولانا سلامت اللہ کے ہاں ہوئی۔ تعلیمی مراحل سے فارغ ہونے کے بعد علی گڑھ یونیورسٹی میں 1906 میں لیکچرر تعینات ہوئے، بعد ازاں جامعہ ملیہ دہلی میں تاریخ اسلام کے لیکچرر مقرر ہوئے۔ آپکی معروف تصانیف میں تاریخ القرآن، تاریخ امت، الوراثة في الاسلام، تاریخ اسلام کا جائزہ، تعلیمات القرآن، لوادرات اور مقام حدیث شامل ہیں۔ قیام پاکستان کے بعد آپ کراچی منتقل ہوئے مگر غلام احمد پرویز لکھتے ہیں:

"اس خطہ زمین کو اہل علم حضرات کی ضرورت نہیں تھی وہ انکو قبول نہیں کر سکی اور یوں عصر حاضر کا یہ جوہر گراں مایہ مراجعت فرمائے ہندوستان ہو گیا۔"[42]

جے راج پوری بھی ان معروف لوگوں میں سے ہیں جنھوں نے احادیث کا انکار کیا اور غلام احمد پرویز نے بھی انہی کی فکر سے استفادہ کیا۔ انکی نگاہ میں حدیث کی اہمیت تاریخ سے کچھ زیادہ نہیں چنانچہ ان کے ہاں اگر کوئی بھی آدمی مجموعہ احادیث میں سے کسی حدیث کو قبول کرنا چاہے تو وہ اسکی مرضی وپسند پر منحصر ہے اور اگر کوئی رد کرنا چاہے تو بھی کوئی حرج نہیں۔ چنانچہ حافظ اسلم الیوم اکملت لکم دینکم الخ کی تفسیر میں احادیث پر ان الفاظ میں نقد کرتے ہیں:

"اس تکمیل کے بعد اب دین میں کیا کمی رہ گئی ہے جس کو روایتوں سے پورا کیا جائے۔ اس لیے روایات کی جگہ اپنی تاریخ کی الماری ہے ان سے علمی وتاریخی فوائد حاصل کیے جاسکتے ہیں اور فقہ اسلامی یعنی قوانین وضوابط کے استنباط میں کام لیا جاسکتا ہے۔ احادیث میں آنحضرتؐ کے اقوال، اعمال اور احوال جو بیان ہوئے ہیں اسی کو تاریخ کہا جاتا ہے۔ بیشک قرآنی احکام مثلاً نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ وغیرہ پر آپؐ نے جو عمل کیا اور امت کو بتلایا اور سلسلہ بہ سلسلہ جو تواتر سے چلا آرہا ہے وہ یقینی ہے کیونکہ تواتر یقینیات کی اقسام میں داخل ہے جسکے بارے میں قرآن کہتا ہے:"لقد كان لكم فی رسول الله اسوة حسنه"[43]

چنانچہ اس پر غلام احمد پرویز حاشیے میں یوں ان الفاظ میں تبصرہ کرتے ہیں:

---

[41] صفدر سرفراز خان، مولانا، انکار حدیث کے نتائج، ص ۴۵

[42] پرویز، غلام احمد، علوم الحدیث، ص۸۱۹ مطبوعہ مطبوعہ طلوع اسلام ٹرسٹ، لاہور

[43] جے راج پوری، اسلم، حافظ، ماہنامہ طلوع اسلام، لاہور ستمبر ۱۹۵۵

"تواتر بھی وہی یقینی ہے جو قرآن کے مطابق ہو۔"[44]

اسلم جے راج پوری بھی کہتے ہیں:

"نہ حدیث پر ہمارا ایمان ہے اور نہ اس پر ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے۔ نہ حدیث کی سند میں جو رجال ہیں ان پر ہمارا ایمان ہے اور نہ ہی ان پر ایمان لانے کا ہمیں کہا گیا ہے۔ پھر یہ کتنی عجیب بات ہے کہ ایسی غیر ایمانی اور غیر یقینی چیز کو ہم قرآن کی طرح حجت مانیں۔"[45]

آنحضرتؐ کی اطاعت کے انکار پر جے راج پوری لکھتے ہیں:

"قرآن میں جہاں جہاں اللہ اور اسکے رسولؐ کی اطاعت کا حکم موجود ہے اس سے مراد امام وقت یعنی مرکز ملت کی اطاعت ہے۔ جب تک آپؐ امت میں موجود تھے ان کی اطاعت اللہ و رسولؐ کی اطاعت تھی اور آپؐ کے زندہ جانشینوں کی اطاعت اللہ اور رسول کی اطاعت ہوگی اور اطاعت عربی میں کہتے ہیں زندہ کی فرمان برداری کو۔"[46]

اسی طرح آنحضرتؐ کی معراج جسمانی کے حوالے سے آپ لکھتے ہیں:

"اگر آپ ہم سے پوچھیں تو ہم یقین رکھتے ہیں کہ عالم ملکوت کی سیر اور مادیات سے بالاتر جا کر خدائی نشانیوں کو دیکھنا جسمانی نہیں روحانی ہی ہو سکتا ہے۔"[47]

اسی طرح جے راج پوری نے سدرۃ المنتہیٰ کا مفہوم یہ بیان کیا ہے:

"تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ جس کا ذکر قرآن میں معراج کے بیان میں ہے اس سے علم نبوت کی انتہائی حد مراد ہے۔"[48]

ان کے اس بیان کی تردید میں مولانا سرفراز خان صفدر کہتے ہیں:

"یہ بات خود زمانہ حال کے منکرین حدیث کو مسلم ہے کہ دور حاضر میں جو قرآنی بصیرت حافظ اسلم صاحب کو ہے وہ ان کی جماعت میں کسی کو بھی حاصل نہیں اور جناب پرویز صاحب وغیرہ تو صرف ان کے خوشہ چیں ہی ہیں مگر سوال یہ ہے کہ وہ کون سی تاریخی کتب ہیں جن میں یہ لکھا ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ حسی طور پر ساتویں آسمان پر مخصوص درخت نہیں بلکہ اس سے حقیقی طور پر مراد ہی علم نبوت کی انتہائی حد ہے؟ باقی ادبیانہ رنگ میں اور مجازی طور پر اسکا کوئی منکر نہیں ہے بحث صرف اس بات سے ہے کہ قرآن کریم اور احادیث میں معراج کے بیان میں جس سدرۃ المنتہیٰ کا ذکر ہے، کیا وہ حسی طور پر ایک مخصوص درخت نہیں ہے؟ اور یقیناً ہے! مگر اسلم صاحب کو معراج جسمانی کے انکار کی کچھ ایسی لگن ہے کہ وہ سفر معراج میں واقع شدہ منزلوں اور ان کی حدود و تعریفات کو بھی بدلنے سے ہرگز نہیں چوکتے۔ تاکہ معراج جسمانی کے انکار کے تمام راستے ہموار کیے جا سکیں اور

---

[44] اجے راج پوری، اسلم، حافظ، ماہنامہ طلوع اسلام، لاہور ستمبر ۱۹۵۵

[45] جے راج پوری، اسلم، حافظ، ماہنامہ طلوع اسلام، لاہور، دسمبر 1950

[46] جے راج پوری، اسلم، حافظ، مقام حدیث ۱/۱۴۹، ادارہ طلوع اسلام لاہور ۱۹۶۵

[47] جے راج پوری، اسلم، حافظ، لغادرات، ص ۱۷، ادارہ طلوع اسلام، کراچی ۱۹۵۶

[48] ایضاً

اس کے روحانی تسلیم کروانے میں کسی قسم کی کوئی دشواری ہی باقی نہ رہے۔ مگر یقین جانیئے کہ ایسی بے سروپا باتوں سے کون متاثر ہوتا ہے؟ اور ان سے بھلا یہ جاندار مسئلے کب حل ہوتے ہیں۔"[49]

اس کے بعد آپؐ کے معجزات کا انکار کرتے ہوئے اسلم جے راج پوری لکھتے ہیں:

"یہی حال معجزات کا ہے۔ قرآن نے تصریح کے ساتھ کہا ہے کہ خاتم النبیینؐ کو عقلی معجزہ قرآن حکیم دیا گیا، جسکو اہل بصیرت قیامت تک دیکھ سکتے ہیں۔ نہ کہ دیگر انبیاء کی طرح حسی معجزہ؟"[50]

آگے مزید کہتے ہیں:

"مگر ان صریح آیات کے ہوتے ہوئے بھی راویوں نے آنحضرتؐ کے حسی معجزات کی روایات کا انبار لگا دیا۔"[51]

یوں ابتداءً انھوں نے احادیث کا انکار کیا پھر اسکے بعد آنحضرتؐ کے سفر معراج کے جسمانی ہونے کی نفی کر کے اسکو روحانی قرار دیا۔ اور اسکے ساتھ ساتھ قرآن کریم کے حوالے سے بتلایا کہ خاتم النبیینؐ کو عملی معجزہ قرآن کی صورت میں دیا گیا نہ کہ دیگر انبیاء و رسل کی طرح حسی معجزہ دیا گیا۔ اور پھر احادیث کے رواۃ کے حوالے سے یہ کہہ گئے کہ انھوں نے حضورؐ کے حسی معجزات کا تسلسل قائم کر دیا۔

حافظ عنایت اللہ اثری اور معجزات:

علامہ عنایت اللہ اثری جنکی پیدائش ۱۴۰۰ / ۱۹۸۰ میں ہوئی۔ سر سید احمد خان کے افکار سے بہت متاثر تھے۔ خود کو اہل حدیث کہلوانا پسند کرتے تھے۔ آپ نے بھی سر سید احمد خان اور دیگر منکرین حدیث کی طرح معجزات انبیاء کا انکار کیا۔ انھوں نے امت کے اجماعی عقدہ کے بر خلاف "عیون زمزم في ولادت عیسی بن مریم" نامی کتاب لکھ کر سیدنا عیسیؑ کے بغیر باپ کے پیدائش کی تردید کی جبکہ اس کے علاوہ دو کتب "بیان المختار" امر قول المختار" لکھ کر تمام انبیاء کرام کے معجزات کا انکار کیا۔ ان کے اور دیگر انکار حدیث سے وابستہ فکر کے لوگوں میں فرق یہ ہے کہ وہ تمام لوگ پہلے حدیث کا انکار کرتے ہیں اور بعد میں قرآن کی من پسند تاویلات کرتے ہیں جبکہ حافظ عنایت اللہ اثری تاویلات کے ذریعہ پہلے قرآن پر رائے زنی کرتے ہیں اور اسکے بعد احادیث پر۔ اس لحاظ سے انھوں نے عام منکرین حدیث سے بڑھ کر قرآنی تاویلات کو اختیار کیا ہے۔

حافظ عنایت اللہ اثری نے "حصول تیسیر البیان علی اصول تفسیر القران" کے نام سے ایک تاویلات سے بھرپور ایک تفسیر لکھی ہے جس میں انھوں نے دیگر باتوں کے علاوہ آنحضرتؐ کے معجزہ معراج آسمانی سے انکار کیا ہے۔ اور رات کے کچھ حصہ میں مسجد الحرام (مکہ مکرمہ) سے مسجد اقصیٰ تک آپؐ کے سفر کے حوالے سے لکھا ہے:

(آنحضرتؐ کو مسجد حرام سے (جو اسکی جائے سکونت ہے) اس مسجد کی جانب کسی نہ کسی رات روانہ کر دے گا اور "اسرائ" کا مطلب لے گیا کی بجائے "لے جائے گا" (روانہ کر دے گا) سے کیا ہے یعنی بجائے ماضی کے مستقبل میں لے جائے گا۔"[52]

یہاں ذیل میں عنایت اللہ اثری کی مذکورہ تفسیر سے آپؐ کے معراج آسمانی کے حوالے سے سورہ بنی اسرائیل کی ابتدائی آیت{سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ

---

[49] صفدر، سرفراز خان، مولانا، انکار حدیث کے نتائج، ص ۵۱، ۵۲

[50] جے راج پوری، اسلم، حافظ، مقام حدیث ۱ / ۱۸۱

[51] ایضاً: ۱ / ۱۸۱

[52] اثری، عنایت اللہ، طلوع اسلام، ص ۴۲، ۴۳، ماہ جنوری ۱۹۷۵

اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا} کے بارے میں ان کی بیان کردہ توضیح و تفسیر ملاحظہ ہو:

"اللہ رحمان ورحیم کا نام لیکر پڑھو۔ چرچا کرو اور وعدہ خلافیوں اور غلیظ پیشگوئیوں سے اسے خوب پاک اور صاف بیان کرو تا کہ وہ اپنے بندے (محمدؐ) کو مسجد حرام سے (جو کہ اسکی جائے سکونت ہے) اس مسجد کی جانب کسی نہ کسی رات روانہ کردے گا۔ جو کہ یہاں سے بہت دور ہے۔ اور تبلیغ واشاعت کی وجہ سے اسکے ارد گرد بہت سے سعید الفطرت لوگ مسلمان ہو کر اسلامی انوار وبرکات سے متمتع ہو رہے ہیں اور حلقہ اسلام دن بدن وسیع ہوتا جارہا ہے۔"[53]

یہ ہے حافظ عنایت اللہ اثری کی وہ تفسیر جو انہوں نے واقعہ معراج کے حوالے سے بیان کی جو کہ تمام قدیم وجدید اور جمہور مفسرین سے ہٹ کر ہے اور جہاں وہ تفسیر بغیر کسی روایت و نقل کے بیان کرتے ہیں وہاں وہ صرفی و نحوی اعتبار سے بھی اصول وضوابط سے ہٹ کر ترجمہ تفسیر بیان کرتے ہیں جو کہ خالصتاً ان کی ذاتی اختراع و تاویل ہے۔ اسی طرح "اسراء نبویؐ" کے حوالے سے مزید لکھے ہیں:

"ابتدائی آیت کریمہ پر کتب تفاسیر میں عموماً اس اسراء نبویؐ کو بیان کیا گیا ہے جس کا موضوع اور صحیح احادیث میں بتصریح ذکر ہے اور بعض ائمہ صحاح نے بھی اسی آیت کریمہ کو عنوان بنا کر ان احادیث کو بیان فرمایا ہے مگر متون حدیث میں آیت کریمہ کا کوئی ذکر نہیں کہ آپؐ نے اپنا اسراء بیان فرماتے ہوئے اس آیت کریمہ کا ذکر فرما یا اور کسی روایت میں اس آیت کریمہ کا وہ شان نزول بھی مروی نہیں جس کا اسراء کی احادیث میں ذکر ہے اور جو کتب زائد میں قتادہ اور زر بن حبیش سے مقطوعاً" اور عبد اللہ بن مسعود اور عبد اللہ ابن عباس اور ابو ہریرہ سے مرقوماً اور ابو سعید خدری اور ابو ہریرہ سے مرفوعاً اسی آیت کریمہ کا ذکر مروی ہے۔ تو وہ محدثانہ طریق پر سخت مخدوش ہونے پر بھی مستند نہیں کہ وہ قرآنی الفاظ کے اطلاق اور تناسب پر محمول ہے۔ اسکے علاوہ اسراء کی جن احادیث میں آپؐ کے ذہاب کا تذکرہ ہے انہیں آپؐ کے ایاب کی بھی تصریح ہے۔ مگر آیت کریمہ میں جس اسراء کا ذکر ہے اسمیں واپسی کا کوئی ذکر کیا بلکہ اشارہ تک بھی موجود نہیں۔"[54]

مندرجہ بالا اقتباس میں ایک تو حافظ عنایت اللہ اثری معراج سے متعلق تمام احادیث کو جو چاہے صحیح ہوں یا موضوع تسلیم کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ جبکہ دوسری جانب وہ ان احادیث کو سورہ بنی اسرائیل کی آیات کی تفسیر تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ احادیث کے متون میں اس آیت کا کوئی ذکر نہیں کہ جس میں آپؐ نے اسراء کو بیان کرتے ہوئے اس آیت کا ذکر کیا ہو حالانکہ یہ بالکل بے بنیاد بات ہے۔ اور انھوں نے اس آیت کریمہ کے شان نزول کے حوالے سے بھی یہ کہہ دیا کہ وہ مروی نہیں اور اسکا اسراء کی احادیث میں ذکر نہیں جبکہ بہت سے جلیل القدر صحابہ سے جو روایات اس حوالے سے منقول ہیں ایک طرف ان کا بھی ذکر کرتے ہیں جبکہ دوسری طرف ان روایات اور اسراء و معراج کا انکار بھی کرتے ہیں یہ ان کا ذاتی منطقی انداز ہے جو کہ سمجھ سے بالاتر ہے۔ ان کے معجزات سے انکار کا جواب دیتے ہوئے مولانا عبد الرحمان کیلانی لکھتے ہیں:

"اگر قرآن کریم میں کسی خرق عادت یا معجزے کا ذکر ہو اور بالخصوص اس صورت میں کہ حدیث اس امر کی وضاحت کر رہی ہو تو اس وقت اثری صاحب کی حالت قابل رحم ہوتی ہے کیونکہ آپ کی ذہنی افتاد قرآن وحدیث کے عین مخالف سمت میں ہوتی ہے اس وقت آپ

[53] اثری، عنایت اللہ، حصول تیسیر البیان علی اصول تغیر القران، ص ۱۱۳، ۱۱۱، طلوع اسلام لاہور، ۱۹۷۶

[54] اثری، عنایت اللہ، حصول تیسیر البیان علی اصول تفسیر القرآن، ص ۱۱۴

مصلحت اسی بات میں سمجھتے ہیں کہ مشکل سے مشکل انداز بیاں اختیار کر کے قاری کو بھول بھلیوں میں چھوڑ کر آگے چلتے بنیں۔ اندریں صورت کبھی آپ ضمیروں کو ادھر مروڑتے ہیں کبھی ادھر۔ کبھی کوئی فلسفہ بیان کرنے لگ جاتے ہیں نہیں تو الفاظ ہی ایسے استعمال کرنے لگ جاتے ہیں کہ قاری کو کچھ پلے نہ پڑے۔ وہ کم از کم یہ سمجھے کہ حافظ صاحب نے سوال کا کچھ نہ کچھ جواب ضرور دیا ہے۔"[55]

جاوید احمد غامدی اور معجزات نبویؐ:

تعارف و خدمات:

آپکی پیدائش 18 اپریل 1951ء کو ساہیوال (پنجاب) کے ایک گاؤں جیون شاہ میں ہوئی۔ انہوں نے اپنے استاد مولانا امین احسن اصلاحی سے اکتساب فیض کیا جبکہ ان کے دیگر اساتذہ کرام میں سے مولانا ادریس کاندھلوی، مولانا ابوالخیر مودودی، مولانا محمد حنیف ندوی، مولانا عطاء اللہ حنیف، ڈاکٹر سید عبداللہ اور مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی شامل ہیں۔ ان کی علمی تصنیفات میں سے قرآن کریم کا ترجمہ و تفسیر ہے جو البیان کے نام سے 5 جلدوں میں ہے۔ اسی طرح ان کی ایک معروف کتاب میزان کے نام سے ہے جو کہ دین کی تفہیم و تبیین پر مشتمل ہے۔ اسی طرح ان کے تنقیدی مضامین پر ایک مجموعہ "برہان" کے نام سے شائع ہوا ہے۔ جبکہ دینی و علمی اور قومی موضوعات پر دینی متفرق تحریروں پر مشتمل ان کی کتاب "مقامات" کے نام سے موجود ہے۔ اسی طرح 1985ء میں انہوں نے غامدی افکار و نظریات پر مشتمل ماہنامہ اشراق کا باقاعدہ آغاز کیا جو کہ ابھی تک باقاعدگی سے شائع ہو رہا ہے اور اسکے متعین سلسلہ جات میں قرآنیات، معارف نبویؐ، دین و دانش، نقد و نظر، نقطہ نظر، حالات و وقائع، تبصرہ کتب شامل ہیں۔

اسی طرح انگریزی زبان میں ان کی افکار و نظریات کی ترجمانی کے (Monthly Renaissance) کا 1991ء سے آغاز ہوا جو کہ تا ہنوز جاری و ساری ہے اور اسکے معروف سلسلہ جات یہ ہیں:

Editorial- Quranic Exegesis, Reflections, Boo Queries, Selection, New and Views, Dialogue, Islamic Law, Scriptures.

اسی طرح 1951ء میں "ادارہ علم و تحقیق" کے نام سے اسلامی علوم سے متعلق علمی و تحقیقی کام اور اس کی نشر و اشاعت اور عوام الناس کی دینی تربیت کے اہداف پر مشتمل کثیر المقاصد ادارے کی بنیاد رکھی۔

جاوید احمد غامدی نے بیسویں صدی سے اپنے علمی سفر کا آغاز کیا۔ بائیس سال کے عرصے میں آپ تصوف کی طرف مائل ہو گئے اور اپنے شیخ سے بے پناہ تعلق قائم رہا۔ چنانچہ مرتے دم تک اپنے استاد سے تعلق میں کبھی دوری نہیں آنے دی۔ ان سے علمی مباحثہ کا سلسلہ چلتا رہا جو کبھی کبھار مناظرہ تک بھی چلا جاتا مگر اپنے اور استاد کے مابین کبھی کوئی خلیج نہیں آنے دی۔

جہاں تک جاوید احمد غامدی کے افکار و نظریات کی بات ہے تو وہ قرآن و سنت میں فرق کے ساتھ ساتھ حدیث و سنت میں بھی فرق کرتے ہیں۔ چنانچہ ان کے ہاں سنت کی تعریف کچھ اسطرح ہے:

"سنت سے ہماری مراد دین ابراہیمی کی وہ روایت ہے جسے اللہ کے نبیؐ نے اسکی تجدید و اصلاح کے بعد اور اسمیں بعض اضافوں کے ساتھ اپنے زمانے والوں میں دینی حیثیت سے جاری فرمایا ہے۔"[56]

جبکہ جمہور کے ہاں یہ تعریف درست نہیں ہے اور ان کی یہ تعریف محدثین و اہل علم کی تعریف کے برعکس ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی راہنمائی

---

[55] کیلانی، مولانا عبدالرحمٰن، عقل پرستی اور انکار معجزات، ص316، مکتبہ دارلسلام دسن پورہ لاہور، 1998

[56] غامدی، جاوید احمد، المیزان، ص14، المورد، لاہور 2009

کے لیے جو انبیاء ورسول بھیجے ان کو وحی لفظی اور معنوی طریقے پر بھیجی گئی چنانچہ لفظی وحی (وحی متلو) سے مراد قرآن کریم جبکہ معنوی وحی (غیر متلو وحی) سے مراد سنت ہے۔

چنانچہ اسی انداز سے غامدی صاحب نے مختلف مواقع پر قرآن و حدیث میں اپنی تعبیرات، توضیحات پیش کی ہیں جو کہ جمہور اہل علم سے ہٹ کر ہیں۔ اور ان کے بہت سے نظریات قرآن وحدیث کی صریح نصوص کے خلاف ہیں جن میں سے چند ایک یہ ہیں۔ یہ کہ جاوید احمد غامدی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں یہ موقف رکھتے ہیں کہ انکی وفات ہو چکی ہے۔[57] اسی طرح امام مہدی کی آمد کے حوالے سے امت کے متفقہ عقیدے اور قرآن وحدیث کے بر خلاف ان کا موقف یہ ہے:

"قیامت کے قریب کوئی مہدی نہیں آئے گا۔"[58]

اسی طرح حدیث کی شرعی حیثیت کا انکار کرتے ہوئے ایک مقام پر یوں رقمطراز ہیں:

"احادیث سے دین میں کسی عمل یا عقیدے کا اضافہ قطعاً نہیں ہو سکتا۔"[59]

اسی طرح سنت کے حوالے سے مزید لکھتے ہیں:

"سنت صرف دین ابراہیمی کی وہ روایت ہے جسے نبی اکرمؐ نے دین کی حیثیت سے جاری فرمایا اور یہ قرآن سے مقدم ہے۔ اگر کہیں قرآن کا ٹکراؤ یہود و نصاریٰ کے فکر و عمل سے ہو تو قرآن کریم کی بجائے یہود و نصاریٰ کے متواتر عمل کو ترجیح دی جائے گی۔"[60]

اسی طرح رجم اور شراب نوشی کی سزا کے حوالے سے جناب غامدی کا موقف یہ ہے:

"رجم اور شراب نوشی کی شرعی سزا حد نہیں۔"[61]

اسکے علاوہ مرتد کی شرعی سزا کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"مرتد کی شرعی سزا نبی اکرمؐ کے زمانے کے ساتھ مخصوص تھی۔"[62]

جبکہ فساد فی الأرض اور قتل نفس کی سزاؤں کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"اسلام میں فساد فی الارض اور قتل نفس کے علاوہ کسی بھی مجرم کی سزا قتل نہیں ہو سکتی ہے۔"[63]

اسی طرح جمہور اہل علم کے ہاں جیسے قرآن وسنت کی نصوص سے استدلال کرتے وقت سلف صالحین کے معروف طریقہ کار یعنی ان کے متفقہ اصول تفسیر واصول فقہ سے ہٹ کر چلنا درست نہیں ہے لیکن جناب غامدی کی تحقیقات کا عمومی انداز ایسا ہی ہوتا ہے۔

اسی طرح جیسے جمہور اہل علم قرآن وسنت کی کسی نص کے مفہوم پر صحابہ اور مابعد کے زمانوں کے اجماع کو حجت سمجھتے ہیں اور اسکے خلاف رائے

---

[57] غامدی، جاوید احمد المیزان، علامات قیامت، ص 1780

[58] غامدی، جاوید احمد المیزان، علامات قیامت، ص 177

[59] غامدی، المیزان، ص 15

[60] غامدی، المیزان، ص 14

[61] غامدی، جاوید احمد، برہان، ص 35 تا 40، مطبوعہ المورد لاہور 2009

[62] غامدی، جاوید احمد، ماہنامہ اشراق، اگست 2008، ص 95

[63] غامدی، برہان، ص ۱۴۶

دہی کو غلط سمجھتے ہیں مگر غامدی صاحب کے ہاں صحابہ اور تمام امت خطا پر اکٹھی ہو سکتی ہے اور یہ بات بھی ممکن ہے کہ گزشتہ چودہ سو سال میں کوئی شرعی مسئلہ کسی صحابیِ رسول، تابعی یا فقیہ کو سمجھ نہ آیا ہو اور پہلی مرتبہ انہیں یا ان کے استاد و امام پر منکشف ہوا ہو۔ چنانچہ اس اصول کے تحت وہ بہت سے اجتماعی موقفات کے برخلاف اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں۔

اسی طرح اگر کسی مسئلے کی دلیل حدیث کو بنایا جائے تو غامدی صاحب فرماتے ہیں کہ حدیث سے مستقل بالذات دین ثابت نہیں ہوتا جبکہ جمہور اہل علم اور ائمہ کرام کے ہاں قرآن کریم کے ساتھ ساتھ احادیث سے بھی مستقل طور پر کوئی حکم ثابت ہوتا ہے۔ لیکن غامدی صاحب یہ تو مانتے ہیں کہ قرآن کریم کے بغیر بھی وحی نازل ہوئی ہے لیکن وہ حدیث کو وحی کی حیثیت دینے سے انکار کرتے ہیں یعنی بالفاظ دیگر وہ حدیث کو ایک طرف حجت تو کہتے ہیں مگر اسکو وحی نہیں مانتے۔

جس طرح اوپر ذکر کیا گیا کہ اسلام کے بنیادی مصدر شریعت قرآن و سنت ہیں لیکن غامدی صاحب کے ہاں سنت سے مراد سنت رسولؐ نہیں بلکہ سنت ابراہیمی ہے۔ یعنی دین کی وہ روایت جو حضرت ابراہیمؑ سے جاری ہوئی اور اسی طرح غامدی صاحب کے ہاں کتاب سے مراد فقط قرآن کریم نہیں ہے بلکہ کتاب الٰہی ہے جو کہ تورات، زبور، انجیل اور صحف ابراہیمؑ کو شامل ہے۔ اسی طرح جمہور اہل سنت کے ہاں عقل و فطرت سے شریعت کا کوئی حکم ثابت نہیں ہوتا بلکہ صرف حکم خداوندی یا سنت سے ثابت ہوتی ہے مگر غامدی صاحب عقل و فطرت سے حلال و حرام، اوامر و نواہی اور جائز و ناجائز کی ایک طویل فہرست پر مبنی مسائل کو ثابت کرتے ھیں۔ اسی طرح جمہور اہل سنت قرآن و سنت کے ثبوت کا بنیادی ذریعہ قطعی و ظنی خبر کو مانتے ہیں جبکہ غامدی صاحب کے نزدیک قرآن و سنت کے ثبوت کا بنیادی ذریعہ اجماع صحابہ اور قولی و عملی تواتر ہے۔

اسی طرح علمائے اصول فقہ کے ہاں قرآن کی کسی آیت کی حدیث کے ذریعے تخصص و تقیید اور اضافہ جائز ہے جبکہ غامدی صاحب کے ہاں کے حدیث نہ تو قرآن کی کسی آیت کی تخصیص کر سکتی ہے اور نہ ہی اضافہ۔[64]

معجزات کے حوالے سے جاوید احمد غامدی کا موقف:

معجزات کے حوالے سے جاوید احمد غامدی کے ہاں نبی کی شخصیت انسانیت کا مظہر اتم اور اسکی دعوت انسانی فطرت کے مطابق ہوئی ہے۔ وہ لوگوں سے جو کچھ بھی کہتا ہے وہ عقل و بصیرت کا آخری معیار ہوتا ہے کہ وہ اپنی چیزوں کی نشاندہی کرتا ہے جن سے انسان غفلت یا نسیان اختیار کرتا ہے۔ نبی کی نبوت کے پیچھے چونکہ اخذ و الکتاب کا پہلو نہیں ہوتا لہٰذا اسکی پہچان سے کسی سلیم الفطرت شخص کو کوئی مشکل نہیں پیش آئی۔ چنانچہ نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ ایسے بینات عطا فرماتے ہیں کہ معاندین اگرچہ زبانی طور پر تسلیم نہ بھی کریں مگر انکی صداقت پر یقین کے سوا ان کے لیئے کوئی دوسرا راستہ باقی نہیں رہتا۔ بینات ہر نبی کو حالات و زمانہ کے اعتبار سے دیئے جاتے ہیں۔ چنانچہ جاوید احمد غامدی لکھتے ہیں:

”نبی کو اللہ تعالیٰ معجزات و خوارق عطا فرماتے ہیں۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور مسیح علیہ السلام کو جو غیر معمولی معجزات دیئے گئے ان کے بارے میں خود قرآن کریم نے یہ وضاحت فرمائی ہے کہ وہ جن چیزوں پر دلالت کے لیے دیئے گئے ہیں ان میں سے ایک ان انبیاء کی رسالت بھی تھی۔ چنانچہ عصائے موسیٰ اور ید بیضا کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ:

{فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَ مَلَا۟ىٕهٖ-اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِیْنَ}[65]

"پس یہ دونوں واضح نشانیاں ہیں فرعون اور اسکے سرداروں کے پاس جانے کے لیے۔ اس بات میں شبہ نہیں کہ وہ

---

[64] محمد زبیر، ڈاکٹر، فکر غامدی ایک تحقیقی اور تجزیاتی مطالعہ، ص۱۸-۱۹، مکتبۃ رحمۃ للعالمین لاہور 2007

[65] القصص:۳۲

نافرمان لوگ ہیں۔"

ان معجزات کو کوئی بندہ سحر و ساحر کے علم وفن کا کمال کہہ کر رد نہیں کر سکتا کیونکہ اس طرح کے علوم وفنون کی حقیقت اسکے ماہرین سے بہتر کوئی نہیں سمجھ سکتا اور وہ بھی اسکے سامنے عجز سے اعتراف پر مجبور ہو جاتے ہیں۔[66]

غامدی صاحب کا مزید کہنا ہے کہ جناب رسول اکرمؐ کو جو معجزہ اس حیثیت سے دیا گیا وہ قرآن کریم ہے۔ عربی زبان کے بعد اس بلاغت اور علم و ادب کی روایت سے واقف ادبی ذوق کے حامل لوگ جب اسکی تلاوت کرتے ہیں تو یہ صاف محسوس کرتے ہیں کہ یہ کسی انسان کا کلام نہیں ہے اور نہ ہی کوئی اسکی کے مثل پیش کر سکتا ہے۔ اسی طرح واقعہ معراج کے حوالے سے جناب غامدی کا نقطہ نظر یہ ہے کہ سورہ بنی اسرائیل میں ہے:

(وَ مَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ وَ الشَّجَرَةَ)[67]

"اور ہم نے جو نظارہ آپؐ کو دکھایا تھا اسکو ہم نے (کافر) لوگوں کے لیے اس ایک فتنہ بنا دیا۔"

یہاں وہ واقعہ معراج کے لیے الرویا کے لفظ سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس کا معنی خواب ہوتا ہے اور قرآنی بیان کی روشنی میں ہم مجبور ہیں کہ اس واقعے کو بھی خواب ہی کے معنی میں لیا جائے۔ تاہم اتنی بات ذہن نشین رہے کہ نبی کا خواب وحی ہوتا ہے اور اسمیں جو حقائق بیان کیے جاتے ہیں وہ دن کی روشنی میں اور سر کی آنکھوں سے دیکھے جانے والے حقائق سے زیادہ سچے ہوتے ہیں۔ وہ مزید کہتے ہیں کہ قرآن نے جب اس واقعے کی تفصیلات میں دیکھنے، دکھانے، لے جانے اور کسی خاص جگہ پر موجود ہونے کے جو الفاظ بیان کیے ہیں وہ بلاشک وشبہ حقائق کا بیان ہیں۔[68] مذکورہ بالا آیت کریمہ سے غامدی صاحب نے لفظ الرویا سے استدلال کرتے ہوئے معراج کو خواب پر محمول کیا ہے جبکہ یہ واقعہ جمہور مفسرین کے ہاں عالم خواب میں نہیں بلکہ بیداری میں پیش آیا تھا۔ چنانچہ علامہ سہیلیؒ نے اس موضوع پر تفصیل سے بحث کی ہے کہ آیا معراج کا واقعہ عالم بیداری میں پیش آیا یا خواب ہیں۔ اس حوالے سے انھوں نے اہل علم کے تین طائفوں کے اقوال نقل کئے ہیں چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ طائفہ اولیٰ جس میں ابن اسحاق نے حضرت عائشہ اور حضرت معاویہ کا قول ذکر کیا ہے کہ یہ ایک سچا خواب تھا اور اس شب حضورؐ کا جسم اطہر مفقود نہیں ہوا تھا بلکہ فقط آپ کی روح کو سیر کروائی گئی تھی۔ اور ان کا استدلال مذکورہ بالا اسی آیت {وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ} سے ہے جس سے جناب غامدی نے استدلال کیا ہے۔ ان کے ہاں رویا سے مراد صرف وہ خواب ہے جو بلندی میں نظر آئے اور انہوں نے اس پر حدیث سے مزید استدلال بھی پیش کیا ہے۔ اسی طرح طائفہ ثانیہ سے مراد وہ علماء ہیں کہ جن کا نقطہ نظر یہ ہے کہ معراج عالم بیداری میں ہوئی اور وہ کہتے ہیں کہ کبھی کبھی "رویا" عالم بیداری میں بھی دیکھنے کو کہا جاتا ہے اور ان کا استشہاد اس عربی شعر سے ہے:

(وکبر للرؤیا وھش فوادہ وبشر قلبا کان جما بلالہ)

"اس نے اس منظر کو دیکھ کر تکبیر کہی۔ اسکا دل خوش ہو گیا۔ اس نے اپنے دل کو بشارت دی۔ وہ پہلے مختلف وساوس کی آماجگاہ تھا۔"

چنانچہ ان علماء کے نزدیک مذکورہ دلیل قرآنی اس امر کی دلیل ہے کہ یہ سیر عالم بیداری میں تھی۔ اور اگر یہ نیند میں خواب ہوتا تو لوگ فتنے میں مبتلا نہ ہوتے اور بہت سے لوگوں کے اقدام ڈگمگا نہ جاتے۔

کفار مکہ نے کہا کہ "محمدؐ یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ بیت المقدس گئے اور پھر اسی رات مکہ مکرمہ واپسی ہوئی جبکہ کاروان ایک مہینے میں وہاں پہنچتے ہیں اور

---

[66] غامدی، جاوید احمد، میزان، ص129، المورد ادارہ علم و تحقیق لاہور 2010

[67] بنی اسرائیل:۶۰

[68] غامدی، جاوید احمد، میزان، ص188

ایک مہینے میں واپس آتے ہیں"۔ اور اگر یہ خواب ہوتا تو کوئی بھی اس کو ناممکن نہ سمجھتا کیونکہ سونے والا کبھی کبھی اپنے آپ کو آسمان پر دیکھتا ہے ۔ کبھی وہ مشرق و مغرب میں جاتا ہے اُسے کوئی بھی ناممکن نہیں کہتا۔ ان اہل علم کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ حضورؐ نے اس برتن سے پانی پیا جسے اہل کارواں نے ڈھانپ رکھا تھا، صبح انھوں نے دیکھا کہ برتن خالی تھا۔ اس کارواں کا ایک اونٹ براق کی آواز سن کر بھاگ گیا۔ آپؐ نے ان کی راہنمائی فرمائی۔ آنحضرتؐ نے اہل مکہ کو یہ علامت بھی بتائی کہ آپؐ نے ان دوبوروں کو بھی خبر دی جن میں سے ایک کالا اور دوسرا دھاری دار تھا۔ علامہ یونس کی روایت میں ہے کہ جس قافلہ سے حضورؐ نے پانی نوش فرمایا تھا اور گمشدہ اونٹ کی جانب ان کی راہنمائی کی تھی اسکے بارے میں فرمایا کہ وہ عنقریب پہنچ جائے گا اور اہل کارواں مذکورہ بالا واقعات کا بتائیں گے۔ قریش مکہ نے پوچھا وہ قافلہ کب پہنچے گا؟ آپؐ نے فرمایا" وہ بدھ کے دن تک پہنچ جائے گا؟ بدھ کے دن سورج غروب ہونے کے قریب تر ہو گیا مگر ابھی تک قافلہ نہ پہنچا۔ آپؐ نے اللہ سے دعا کی۔ اللہ رب العزت نے سورج کو روک دیا حتیٰ کہ وہ کاروان پہنچ گیا۔ حضرت آدمؑ سے لیکر حضورؐ کی امت تک سورج صرف یا تو آپؐ کے لیے روکا گیا۔ یا حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کے لیے روکا گیا۔ اور یہ تمام واقعات عالم بیداری میں ہی وقوع پذیر ہو سکتے ہیں۔ اور ان ہی واقعات سے اہل علم نے معراج کے عالم بیداری میں جسم مقدس کے ساتھ وقوع پذیر ہونے کا استدلال کیا ہے۔ جبکہ اہل علم کا ایک طائفہ ثالثہ بھی ہے جسکے سرخیل ابو بکر ابن عربی ہیں جو اوپر بیان کردہ دونوں اقوال کی تصدیق کرتے ہوئے دونوں احادیث کو صحیح مانتے ہیں اور ان کے نزدیک معراج دو مرتبہ ہوئی تھی۔ پہلے آپؐ کو نیند کے عالم میں معراج کروائی گئی تھی تاکہ آپؐ کے لیے سہولت ہو جیسے آغازِ وحی سچے خوابوں سے ہوا تھا۔ تاکہ نبوت کا امر آپؐ کے لیے آسان ہو جائے اسلئے کہ یہ ایک عظیم امر تھا جس سے قویٰ بشریہ کمزور تھے۔ ایسے ہی سفر معراج پر جانے سے قبل بھی آپؐ کو نیند میں معراج کروائی گئی۔ پھر اسی طرح عالم بیداری میں معراج ہوئی۔ یہ فقط اللہ تعالیٰ کا کرم تھا۔ اور بہت سے علماء کا یہ نقطہ نظر ہے کہ معراج دو مرتبہ ہوئی اول حالت نیند میں دوم حالت بیداری میں۔ چنانچہ علامہ سہیلیؒ نے بھی اسی قول کو درست قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ احادیث کے معانی اسی پر متفق ہوتے ہیں۔[69] بہر کیف جمہور اہل علم نے اسی قول کو اختیار کیا اور ترجیح دی کہ واقعہ معراج حالت بیداری میں حضورؐ کے جسم اطہر کے ساتھ پیش آیا۔

نتائج بحث

1. منصب رسالت وہبی منصب ہے نہ کہ کسبی اور اللہ رب العزت اپنی چاہت کے مطابق برگزیدہ بندوں کو اس اعلیٰ مقام و منصب سے سرفراز فرماتے ہیں۔
2. انبیاء کرام کے ہاتھوں پر صادر ہونے والے وہ واقعات جو خوارق عادت ہوں معجزہ کہلاتے ہیں۔ معجزہ اسباب طبعیہ سے ہٹ کر خالصتاً مشیت الٰہی سے ظہور پذیر ہوتا ہے۔ معجزے کا صدور نبی پر جبکہ سحر جادوگروں کا شیطانی عمل ہوتا ہے۔
3. اہل السنت والجماعت کے ہاں انبیاء نزول وحی سے پہلے بھی معصومین اور واجب العصمۃ تھے اور رسول بھی وحی سے قبل رسول ہی تھے اور نبی اور مامون تھے ایسے ہی وفات کے بعد بھی وہ رسول ہی ہوں گے۔
4. عصر حاضر میں بہت سے لوگ جو مسلمان ہیں اس لحاظ سے معجزات کے منکر ہیں کہ چونکہ یہ معجزہ قدرتی قانون کے مخالف ہے لہذا یہ

---

[69] السہیلی، ابو القاسم، الروض الانف، ۲/ ۲۸۹-۲۹۰

ناممکن الوقوع ہے۔ وہ معجزے کے اقرار کو عجوبہ پرستی کے سوا کچھ نہیں سمجھتے جبکہ معجزے کا انکار دراصل قدرت خداوندی کا انکار ہے۔

5. سرسید احمد خان، غلام احمد پرویز، عبداللہ چکڑالوی، اسلم جے راج پوری، عنایت اللہ اثری اور جاوید احمد غامدی نے اپنے اپنے انداز سے معجزات کے حوالے سے مؤقف اختیار کرتے ہوئے بعض نے مکمل طور پر انکار کیا جبکہ بعض نے معجزات کی تعبیر و تشریح قرآن و سنت کے مفہوم کے برخلاف اپنی عقل و قیاس اور منطق کو استعمال کرتے ہوئے قائم کی۔

6. قرآن و احادیث کی تعبیر و تشریح اپنی خواہشات اور آثار سے ہٹ کر اور غیر محمود تفسیر بیان کرنا اہلسنت والجماعت کے نزدیک ناجائز عمل ہے۔